شذرات

جمہوریت ـــــ دین کا تقاضا	محمد بلال	۲

قرآنیات

سورۃ التوبہ (۵)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

فتنہ انگیزی کی سزا	معز امجد / شاہد رضا	۱۱

دین و دانش

کتاب و حکمت	رضوان اللہ	۲۱

سیر و سوانح

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲)	محمد وسیم اختر مفتی	۳۵

نقطۂ نظر

صلوٰۃ (نماز) (۲)	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۴۰

نقد و نظر

میاں بیویوں کے کفیل ہی ہیں	پروفیسر خورشید عالم	۴۵

اصلاح و دعوت

احتجاج و انتقام اور اسلامی اخلاقیات	محمد عمار خان ناصر	۵۲

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد بلال

جمہوریت ـــــ دین کا تقاضا

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت وطن عزیز میں جمہوریت کا عمل خوب صورت مراحل سے گزر رہا ہے۔ کسی کو پھانسی پر نہیں لٹکایا گیا اور نہ کسی کو جلا وطن کیا گیا ہے۔ اہل اقتدار نے خوشی سے اپنی کرسیاں چھوڑ دیں اور اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ اس صورت حال میں بھی بعض لوگ جمہوریت کے خلاف بولتے ہیں۔ جمہوری اور آمرانہ ادوار کا تقابل کرتے ہیں۔ اور آمریت کو بہتر قرار دے ڈالتے ہیں۔ حالاں کہ ایک سچا مسلمان جمہوریت کے سوا کسی اور نظام کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ جمہوریت کے خلاف بولنا، دراصل اللہ اور رسول کے خلاف بولنا ہے۔ اسی طرح کوئی ایسا شخص یا گروہ جو مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اقتدار حاصل کر لے اور مسلمانوں کی مشاورت کے بغیر اپنی ذاتی آرا کے مطابق ملکی معاملات چلانا اور بڑے بڑے فیصلے کرنا شروع کر دے تو نہ صرف یہ کہ وہ جمہوریت کے منافی طرز عمل اختیار کرتا ہے، بلکہ اللہ و رسول کے خلاف طرز عمل اختیار کرتا ہے۔

جمہوریت کے حوالے سے سورۂ شوریٰ (۴۲) میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک اسلوب میں فرمایا ہے:

''اور ان (مسلمانوں) کا نظام ان کے باہمی مشورے کی بنیاد سے چلتا ہے۔'' (۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔''

(ترمذی، کتاب الجہاد)

ہر معاملے میں عملی طور پر تمام مسلمانوں سے مشورہ لینا ناممکن ہے۔ اس صورت حال میں مختلف طبقات کے نمائندہ افراد سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ اصل میں مشاورت کے لیے کوئی طریق کار اختیار کرنے کا مسئلہ دینی نہیں،

تمدنی ہے۔ اس مسئلے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمدن کے مطابق حل بھی کیا۔ بخاری میں ہے:

''مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ پس تم جاؤ اور اپنے لیڈروں کو بھیجو، تاکہ وہ تمھاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں۔'' (کتاب الاحکام)

اسی جمہوری اصول کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل یہ فیصلہ فرمایا کہ آپ کے بعد حکومت کے لیے آپ کے جانشیں انصار کے بجائے قریش ہوں گے۔ انصار نے مہاجرین پر عظیم احسانات کیے تھے جب وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، لیکن اصول اصول تھا۔ عرب کی اکثریت قریش کی پیرو تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اقتدار منتقل کرنے کی وجہ جمہوریت کو قرار دیا اور فرمایا:

''لوگ اس معاملے میں قریش کے تابع ہیں۔ عرب کے مومن ان کے مومنوں کے پیرو ہیں اور ان کے کافران کے کافروں کے۔'' (مسلم، کتاب الامارہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اور مزید فرمایا:

''ہمارا اقتدار قریش کو منتقل ہوجائے گا، جب تک وہ دین پر قائم رہیں۔ اس معاملے میں جو شخص بھی ان کی مخالفت کرے گا اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈال دے گا۔'' (بخاری، کتاب الاحکام)

اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب مشورہ لیا جائے گا تو لوگ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کریں گے۔ اس صورت حال میں کیا کیا جائے؟ اس معاملے میں بھی دین نے ہدایت کر رکھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''الجماعۃ (یعنی مسلمانوں کی ریاست) پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ جب کوئی اس سے الگ ہوتا ہے تو اسے شیاطین اچک لے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے جب تم لوگ کوئی بڑا اختلاف دیکھو، تو (عمل کے معاملے میں) اکثریتی گروہ کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو ریاست سے الگ ہوا، اسے الگ کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

(المستدرک، کتاب العلم)

اسی ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم اختلافات دیکھو تو اکثریت کی رائے کی پیروی کرو۔'' (ابن ماجہ، کتاب الفتن)

ظاہر ہے کہ اختلافات کے باوجود نظام تو چلانا ہے، کاروبار زندگی تو معطل نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس مسئلے کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ اکثریت کی بات پر عمل شروع کر دیا جائے۔ اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی اکثریت کی بات صحیح نہ

ہو، مگر اجتماعی شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ معاملات، بہرحال اسی بات کے مطابق چلانا ہوں گے۔ البتہ دوسری رائے رکھنے والے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ دلیل اور تہذیب سے دوسروں کو قائل کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اکثریت کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ان کی رائے آپ سے آپ قانون بن جائے گی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے سیاست دانوں کی کارکردگی اچھی نہیں رہی، لیکن سچ تو یہ ہے کہ معاشرے کے تمام شعبوں اور تمام طبقوں کا یہی حال ہے۔ اہل مذہب کی دنیا، دفتروں کا ماحول، ٹریفک کی صورتِ حال دیکھ لیجیے۔ کبھی اس عورت کو دیکھیے، جو ساس بن چکی ہے۔ کبھی گزرنے والوں کا راستہ روک کر فٹ پاتھ پر چھابڑی لگائے ہوئے شخص کو دیکھیے جو شام کے گہرے سائے کا فائدہ اٹھا کر باسی اور گلے سڑے پھل بیچ رہا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خرابیاں جو ہم سیاست دانوں کے ہاں دیکھتے ہیں وہ پوری شان کے ساتھ کسی نہ کسی سطح پر اور کسی نہ کسی صورت میں معاشرے کے تمام طبقات میں بھی نظر آ جائیں گی۔ یہ کڑوا سچ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہماری سیاسی برائیاں درحقیقت معاشرتی برائیاں ہی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جمہوری نظام کی خامیوں کی اصلاح مزید جمہوریت میں ہے۔ اصلاح کا کام جمہوری عمل خود بھی انجام دے گا۔ جب بار بار انتخابات کا انعقاد ہوگا تو یہ انتخابات چھلنی کا کردار ادا کرنا شروع کر دیں گے اور برے سیاست دانوں کو چھان کر الگ کر دیں گے۔ اس کے علاوہ اہل اصلاح و دعوت لوگوں کے شعور کو بہتر کریں۔ میڈیا جو اہل اقتدار کا احتساب کرتا ہے اس کے اپنے ثمرات ہوں گے۔

اپنے بنیادی اصول کے اعتبار سے جمہوریت اصل میں دین ہی کا تقاضا ہے۔ سورہ مائدہ (۵) میں ارشاد باری ہے:

''اب میں نے تمھارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔'' (۳)

لہٰذا جمہوریت اصل میں اللہ کی نعمت ہے۔ اور اسی نعمت میں ہم سب کی فلاح مضمر ہے جو آمرانہ بالفاظ دیگر غیر اسلامی مزاج رکھنے والوں کو شاید دکھائی نہ دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ
وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ

اِنھی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (اپنی باتوں سے) پیغمبر کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو سراپا کان ہے۔[۲۲۱] کہہ دو: وہ تمھاری بھلائی کے لیے کان ہے۔[۲۲۲] وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، ایمان والوں پر اعتماد

۲۲۱؎ یعنی ہر وقت ہر شخص کی بات سننے اور اُسے مان لینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہ ہجو ملیح کا جملہ ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، یہ مفہوم اِس جملے میں یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی بات سن لینا جہاں آدمی کی شرافت اور کریم النفسی کی دلیل ہے، وہیں یہ اُس کی سادگی، بھولے پن اور بے بصیرتی کی بھی دلیل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ اِس کے اِسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرتے۔ وہ اپنی نجی مجلسوں میں اللہ، اُس کے رسول اور آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے۔ جب آں حضرت تک کسی ذریعے سے اُس کی خبر پہنچتی اور آپ اُس پر کچھ خفگی یا ناراضی کا اظہار فرماتے تو منافقین اپنی صفائی میں لوگوں سے یہ کہتے کہ یہ نیک آدمی ہیں۔ جو بات کوئی شخص کان میں ڈال جاتا ہے، اُس کو سچ جان لیتے ہیں اور اُس کی بنا پر ہم جیسے وفا شعاروں اور اطاعت گزاروں سے بدگمان ہو جاتے ہیں، ورنہ بھلا ہماری زبانوں سے اللہ و رسول کی شان میں کوئی توہین کا کلمہ

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ
يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ

کرتا ہے اور اُن کے لیے سراسر رحمت ہے جو تم میں سے پوری سچائی کے ساتھ ایمان لائے ہیں[۲۲۳]۔ (سن لو) جو اللہ کے رسول کو دکھ دے رہے ہیں، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ تمھارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تمھیں راضی کریں۔ حالاں کہ اگر وہ مومن ہیں تو اللہ اور اُس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اُس کو راضی کریں[۲۲۴]۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرے گا، اُس

قصداً نکل سکتا ہے؟ ازراہ سخن گستری، مذاقاً اور تفریحاً بلا ارادۂ تحقیر کوئی لفظ زبان سے نکل گیا ہو تو اُس کی بات اور ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۵۹۸)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۲۲؎ یہ نہایت بلیغ اسلوب میں منافقین کی بات کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یقیناً سراپا گوش ہے، مگر کس لیے؟ تم اِس رحیم و شفیق ہستی کی قدر پہچانتے تو سمجھ لیتے کہ تمھاری بھلائی کے لیے سراپا گوش ہے۔ تمھاری طرف سے کسی اچھی بات، اچھے کام اور اچھے ارادے کی خبر پہنچے تو اُس کو سننے اور ماننے کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ تمھاری بری خبروں اور سازشوں کے لیے کی جانے والی سرگوشیوں کو سننے کے لیے کان نہیں لگائے ہوئے ہے کہ جو کچھ ملے، اُسے قیمتی سوغات سمجھ کر اپنے دل میں محفوظ کر لے۔

۲۲۳؎ یعنی برائی کی کوئی بات پہنچے تو تو ہر ایرے غیرے سے سن کر اُس کو باور نہیں کر لیتا۔ ہاں، خدا پر ایمان رکھتا اور سچے اہل ایمان پر ضرور اعتماد کرتا ہے۔ چنانچہ جب اُن کی طرف سے کوئی بات پہنچتی ہے تو یقیناً باور کرتا ہے۔ وہ تمھارا بدخواہ نہیں ہے، بلکہ دیکھ سکتے ہو کہ تم میں سے جن لوگوں نے صحیح ایمان کا رویہ اختیار کیا ہے، اُن کے لیے سراپا رحمت ہے۔ خدا توفیق دے تو اپنی اصلاح کر کے تم بھی اُس کی رحمت و شفقت کے سزاوار بن سکتے ہو۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ آیت میں لفظ 'یُؤْمِنُ' کا صلہ 'ب' اور 'ل'، دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ 'ب' کے ساتھ یہ ایمان لانے اور 'ل' کے ساتھ محض کسی کی بات کو ماننے اور اُسے باور کر لینے کے مفہوم میں آتا ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۲۲۴؎ اصل میں 'یُرْضُوْہُ' کا لفظ آیا ہے۔ پیچھے اللہ و رسول، دونوں کا ذکر ہے، لیکن اِس میں واحد کی ضمیر آ گئی ہے۔ یہ اِس بات کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی رضا ایک ہی ہے۔ اِس جملے میں، اگر غور کیجیے

لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾
يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُ وْا
اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

کے لیے دوزخ کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا[۲۲۵]۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے[۲۲۶]۔ ۶۱-۶۳

یہ منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ اتار دی جائے جو اِن کے دلوں کے بھید اُن پر کھول دے[۲۲۷]۔ (اِن سے) کہو: (کچھ دیر اور) مذاق اڑا لو، اللہ اُس چیز کو کھول کر رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔ (اِن کے اِس رویے کے بارے میں) اگر تم اِن سے پوچھو گے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض سخن گستری اور دل لگی کر رہے تھے۔ (اِن سے) کہو: کیا تم اللہ سے، اُس کی آیتوں سے اور اُس

تو منافقین کے رویے پر بڑی برمحل گرفت ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... بسا اوقات آدمی کا عذر گناہ بدتر از گناہ بن جاتا ہے۔ منافقین نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے جو روش اختیار کی، وہ اُن کو اور زیادہ مجرم ثابت کرنے والی بن گئی۔ وہ راست باز ہوتے تو اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ جھوٹی قسموں کے ذریعے سے مسلمانوں کے سامنے اپنے کو معصوم اور پیغمبر کو کان کا کچا ثابت کرنے میں لگ جاتے۔ یہ تو پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈے کی نہایت عیارانہ مہم ہوئی۔“ (تدبر قرآن ۳/۵۹۹)

۲۲۵؎ آیت میں ’فَاَنَّ‘ کا عطف ’اَنَّهٗ‘ پر ہے اور ’يُحَادِدُ‘ کا لفظ اُس مخالفت کو بیان کرتا ہے جس میں کوئی شخص کسی کے مقابل میں دشمن بن کر کھڑا ہو جائے۔

۲۲۶؎ یعنی اِس وقت جس رسوائی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے یہ سارے جتن کر رہے ہیں، اُس سے بڑی رسوائی ہے۔ یہ سوچیں کہ اُس رسوائی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا تدبیر کریں گے۔

۲۲۷؎ اصل الفاظ ہیں: ’اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ‘۔ اِن میں ’عَلٰى‘ کا صلہ بتا رہا ہے کہ ’تُنَزَّلَ‘ یہاں ’تقرء عليهم‘ کے مفہوم میں ہے، یعنی اُنھیں پڑھ کر سنا دی جائے۔ پیچھے فرمایا ہے کہ منافقین خدا کی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنی معصومیت کا قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اُس کا پس منظر واضح کر دیا ہے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾
اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾
وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ

کے رسول سے ہنسی دل لگی کر رہے تھے؟ باتیں نہ بناؤ، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمھارے کسی گروہ سے درگذر بھی کر لیں گے[228] تو دوسرے کو ضرور (اِسی دنیا میں) سزا دیں گے، اِس لیے کہ وہ (فی الواقع) مجرم ہیں[229]۔ ۶۴-۶۶

منافق مرد اور منافق عورتیں، سب ایک ہی طرح کے لوگ ہیں۔ یہ برائی کی تلقین کرتے، بھلائی سے روکتے اور اپنے ہاتھ (ہر خیر کے لیے) بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی اِنھیں بھلا دیا[230]۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منافق بڑے ہی بدعہد ہیں[231]۔ اِن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کھلے منکروں سے اللہ نے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اِن کے لیے یہی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کہ یہ سب اِس اندیشے سے ہو رہا ہے کہ اِس سورہ میں اُن کو لب ولہجہ بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ گھبرائے ہوئے ہیں کہ کہیں سارے راز بے نقاب نہ ہو جائیں۔

۲۲۸؎ یعنی دنیا میں درگذر کر لیں گے اور اُس کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھیں گے۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ منافقین کے بہت سے گروہ تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے نفاق کی نوعیت اور اُن کے شر و فساد کا درجہ بھی ایک نہیں تھا۔

۲۲۹؎ یعنی محض کم عقل مسخرے نہیں ہیں، بلکہ اِس تمسخر سے اُن کے پیش نظر یہی ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیے جائیں اور وہ اُس جدوجہد میں ناکام ہو جائیں جو وہ پیغمبر کی قیادت میں کر رہے ہیں۔

۲۳۰؎ یعنی نظر انداز کر کے توفیق خیر سے محروم کر دیا۔ یہ اُن کی بے توفیقی کی وجہ بیان کر دی ہے کہ وہ جب خدا کو بھلا بیٹھے تو خدا نے بھی اپنی سنت کے مطابق اُنھیں شیطان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ دیکھ سکتے ہو کہ اب وہی اُن کی باگ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے، اُنھیں جہاں چاہتا ہے، لے جاتا ہے۔

۲۳۱؎ اِس لیے کہ اِنھوں نے پیغمبر سے سمع و طاعت کا عہد کیا اور پھر اُسے توڑ دیا ہے۔ بظاہر یہ مسلمان ہیں، لیکن

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

کافی ہے۔ اِن پر اللہ کی لعنت ہے اور اِن کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرنے والو)[۲۳۲]، اُنھی لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے ہو گزرے۔ وہ زور میں تم سے زیادہ اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے۔ سو اُنھوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھالیا، اُسی طرح جیسے تمھارے اگلوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا تھا اور تم نے وہی بحثیں کیں، جیسی اُنھوں نے بحثیں کی تھیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی نامراد ہونے والے ہیں۔ کیا اِنھیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو اِن سے پہلے گزرے[۲۳۳] ــــ نوح کی قوم، عاد و ثمود، ابراہیم کی قوم[۲۳۴]، مدین والوں اور اُن بستیوں کی خبر جنھیں الٹ دیا گیا[۲۳۵]۔ اُن کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ سو ایسا نہ تھا کہ اللہ اُن پر ظلم کرتا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے

پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔

۲۳۲؎ یہاں سے خطاب براہ راست ہو گیا ہے جس سے کلام میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی ہے۔

۲۳۳؎ یہ 'كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ' کے اجمال کی تفصیل ہے۔

۲۳۴؎ اِس سے ابراہیم علیہ السلام کی وہ قوم مراد ہے جسے اُنھوں نے دعوت دی، مگر اُس نے اُن کی یہ دعوت رد کر دی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اُس کو چھوڑ کر نکل آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نبوت کے ساتھ رسالت کے منصب پر بھی فائز تھے۔ قرآن نے جس طریقے سے یہاں اُس قوم کا ذکر کیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ اُن سب قوموں کی طرح

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

رہے۔ ۶۷-۷۰

مومن مرد اور مومن عورتیں، (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (اِن منافقوں کے برخلاف) وہ بھلائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ عنقریب اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔ اِن مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے اُن باغوں کے لیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور ابد کے باغوں میں پاکیزہ مکانوں کے لیے۔ اور خدا کی خوشنودی، وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۷۱-۷۲

جن پر رسولوں کے ذریعے سے اتمام حجت کیا گیا، اُن کی ہجرت کے بعد وہ بھی عذاب کی زد میں آ گئی تھی۔

۲۳۵؎ اِس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں۔ قرآن کے دوسرے مقامات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معز امجد

ترجمہ: شاہد رضا

فتنہ انگیزی کی سزا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رُوِیَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِنَّہُ سَتَکُوْنُ ھَنَاتٌ وَھَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ یُّفَرِّقَ أَمْرَ ھٰذِہِ الْأُمَّۃِ وَھِیَ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَاحِدٍ فَاضْرِبُوْہُ بِالسَّیْفِ کَائِنًا مَنْ کَانَ.

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ بَایَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاہُ صَفْقَۃَ یَدِہِ وَثَمَرَۃَ قَلْبِہِ فَلْیُطِعْہُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ آخَرُ یُنَازِعُہُ فَاضْرِبُوْا رَقَبَۃَ الْآخَرِ.

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْھُمَا.

روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک، عنقریب فتنے رونما ہوں گے[1]۔ چنانچہ جو شخص (مسلمانوں کی) اس جماعت کے معاملات میں انتشار[2] پھیلانے کا ارادہ کرے، جبکہ وہ جماعت ایک شخص (کی حکومت) کے ماتحت متحد ہو، اس کو قتل کر دو[3]، خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص کسی حکمران کی بیعت کرے[4] ـــــ اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے[5]، اور خلوص دل سے اس کی بیعت کرتے ہوئے ـــــ اسے چاہیے کہ جہاں تک

ہو سکے، اس کی اطاعت کرے۔ پھر کوئی دوسرا شخص آئے اور اس سے حکومت چھیننے کی کوشش کرے، اس کی گردن مار دو[6]۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب دو حکمرانوں کی بیعت کی گئے[7]، تو جس کی بیعت بعد میں کی گئی، اس کو قتل کردو۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ اس روایت کے مضمون سے یہ بات بالبداہت واضح ہوتی ہے کہ سیاسی انتشار اور فتنہ انگیزی لوگوں کی تقسیم اور خوں ریزی کا باعث بنتی ہے۔

۲۔ حکمران کے خلاف فتنہ انگیزی کرکے اور مسلمانوں میں سیاسی انتشار کا بیج بوکر۔

۳۔ قرآن مجید کے مطابق*، مجرم کو موت کی سزا صرف دو صورتوں میں دی جاسکتی ہے:

ا۔ وہ کسی کو قتل کرنے کا مرتکب پایا گیا ہو۔

ب۔ وہ فساد فی الارض پھیلانے کا مرتکب پایا گیا ہو۔

سیاسی ریاست کے خلاف فتنہ انگیزی اور غیر آئینی ذرائع سے حکومت پر تسلط جمانے کے لیے اس کی نمائندہ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش بھی فساد فی الارض کا بیج بونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ چنانچہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اس جرم کا ارتکاب کرے، وہ سزاے موت کا مستحق ہے۔

۴۔ یہ ایک قانون کا قیام ہے۔ روایتی طور پر، قائدین، شیوخ اور مختلف قبائل کے نمائندگان اپنا دایاں ہاتھ حکمران کے ہاتھ میں رکھ کر اور اس کے لیے اپنی اطاعت گزاری کا اعلان کرکے یہ بیعت کرسکتے ہیں۔ قائدین اور شیوخ کی یہ بیعت ان کے متعلقہ قبائل کے تمام افراد کی طرف سے ہوگی اور قبائل کے تمام افراد اس بیعت کے پابند ہوں گے۔

۵۔ جس طریقے کے مطابق عموماً بیعت لی جاتی تھی، یہ اسی کی طرف اشارہ ہے، وہ طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص

* المائدہ ۵: ۳۲۔ 'اَنَّـهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا' (جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حکمران کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا تھا۔

۶۔ان الفاظ کا اطلاق بھی سزاے موت پر ہوتا ہے۔

۷۔ جب ایک شخص کو حکومت کی زمام کار تفویض کر دی جائے اور وہ ابھی اس کی زیر نگرانی ہو، کوئی دوسرا شخص اپنی حکومت کو قبول کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت دے اور اپنا الگ متبعین کا گروہ بنا لے، تو اس پر بھی وہی حکم صادر ہو گا جو پہلی دو روایات میں بیان ہوا۔

خلاصہ

جب مسلم ریاست کسی ایک حکمران کے ماتحت متحد ہو اور کوئی دوسرا شخص غیر آئینی ذرائع سے اس سے حکومت چھیننے کے لیے اس کا تختہ الٹ دینے اور اپنا تسلط جمانے کی کوشش کرے، جس کے نتیجے میں اس ریاست کے مسلمان باشندے مختلف فریقوں میں تقسیم ہو جائیں، تو اس طرح کا شخص فتنہ اور فساد فی الارض پھیلانے کا مجرم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، یہ شخص سزاے موت کا مستحق ہے۔ یہ روایت قرآن مجید کے حکم کے عین مطابق ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو لوگ فساد فی الارض پھیلانے کے جرم کا ارتکاب کریں، ان کو عبرت ناک طریقے سے موت کی سزا دی جائے (المائدہ ۵: ۳۳)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

پہلی روایت بعض اختلافات کے ساتھ مسلم، رقم ۱۸۵۲، ۱۸۵۲ا، ۱۸۵۲ب، ۱۸۵۲ج؛ ابوداؤد، رقم ۴۷۶۲؛ نسائی، رقم ۴۰۲۰-۴۰۲۳؛ احمد، رقم ۱۸۳۲۱، ۱۹۰۲۱، ۱۹۰۲۲، ۲۰۲۹۲؛ ابن حبان، رقم ۴۴۰۶، ۴۵۷۷؛ سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۳-۳۴۸۶؛ بیہقی، رقم ۱۶۴۶۶-۱۶۴۶۸ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۲۳۳ میں روایت کی گئی ہے۔

دوسری روایت بعض اختلافات کے ساتھ مسلم، رقم ۱۸۴۴، ۱۸۴۴ا، ۱۸۴۴ب، ۱۸۴۴ج؛ ابوداؤد، رقم ۴۲۴۸؛ نسائی، رقم ۴۱۹۱؛ ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶؛ احمد، رقم ۶۵۰۱، ۶۵۰۳، ۶۷۹۳، ۶۸۱۵؛ بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹-۱۶۴۷۰؛ سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۷۸۱۴، ۸۷۲۹ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۳۲۵۳۶، ۳۷۱۰۹ میں روایت کی گئی ہے۔

تیسری روایت مسلم، رقم ۱۸۵۳ اور بیہقی، رقم ۱۶۳۲۴ میں روایت کی گئی ہے۔

پہلی روایت

بعض روایات، مثلاً ابوداؤد، رقم ۴۷۶۲ میں 'إنہ ستکون ہنات وہنات' (بے شک، عنقریب فتنے رونما

ہوں گے) کے الفاظ کے بجائے 'ستکون فی أمتی ھنات و ھنات' (عنقریب میرے متبعین کے درمیان بہت فتنے رونما ہوں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۸۳۳۱ میں یہ الفاظ 'تکون ھنات و ھنات' (فتنے رونما ہوں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۰۲۱ میں یہ الفاظ 'إنھا ستکون بعدی ھنات و ھنات' (بے شک، عنقریب میرے بعد فتنے رونما ہوں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن حبان، رقم ۴۵۷۷ میں اس کے مترادف الفاظ 'سیکون بعدی ھنات و ھنات' (عنقریب میرے بعد فتنے رونما ہوں گے) روایت کیے گئے ہیں۔ بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۳ میں اس کے مترادف الفاظ 'إنه سیکون بعدی ھنات و ھنات' (بے شک، عنقریب میرے بعد فتنے رونما ہوں گے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۰۲۱ میں 'إنھا ستکون بعدی ھنات و ھنات' (بے شک، عنقریب میرے بعد فتنے رونما ہوں گے) کے الفاظ کے بعد 'و رفع یدیه' (اور آپ نے اپنے ہاتھوں کو بلند فرمایا) کے الفاظ کا اضافہ ہے۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۰۲۱ میں 'فمن أراد أن یفرق أمر ھذہ الأمة' (چنانچہ جو شخص (مسلمانوں کی) اس جماعت کے معاملات میں انتشار پھیلانے کا ارادہ کرے) کے الفاظ کے بجائے 'فمن رأیتموہ یفرق بین أمة محمد' (چنانچہ جس شخص کو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کے درمیان انتشار پھیلاتے ہوئے دیکھو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن حبان، رقم ۴۵۷۷ میں ان الفاظ کے بجائے 'فمن رأیتموہ فارق الجماعة أو یرید أن یفرق بین أمة محمد' (چنانچہ جس شخص کو تم مسلمانوں کے سیاسی اتحاد سے اپنے آپ کو الگ کرتے ہوئے دیکھو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کے درمیان انتشار پھیلاتے ہوئے دیکھو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۳ میں یہ الفاظ 'فمن رأیتموہ فارق الجماعة أو یرید یفرق أمر أمة محمد' (چنانچہ جس شخص کو تم مسلمانوں کے سیاسی اتحاد سے اپنے آپ کو الگ کرتے ہوئے دیکھو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کے (مجموعی) معاملات میں انتشار پھیلاتے ہوئے دیکھو) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۴ میں یہ الفاظ 'فمن رأیتموہ یرید تفریق أمر أمة محمد' (چنانچہ جس شخص کو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کے (مجموعی) معاملات میں انتشار پھیلاتے ہوئے دیکھو) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۷ میں یہ الفاظ 'فمن

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رأیتموہ یمشی إلی أمة محمد فیفرق جماعتھم‘ (چنانچہ جس شخص کو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کی طرف چلتے ہوئے دیکھو اور پھر وہ ان کے اتحاد کو منتشر کر دے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۳۲۳ میں یہ الفاظ ’من فرق بین أمتی‘ (جس شخص نے میرے متبعین کے درمیان انتشار پھیلایا) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابوداؤد، رقم ۴۷۶۲ میں ’أمر ھذہ الأمة‘ (اس امت کے معاملات) کے الفاظ کے بجائے ’أمر المسلمین‘ (مسلمانوں کے معاملات) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۰۲۱ میں یہ الفاظ ’بین أمة محمد‘ (محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کے درمیان) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابوداؤد، رقم ۴۷۶۲ میں ’وھی جمیع‘ (جبکہ جماعت متحد ہو) کے الفاظ کے بجائے ’وھم جمیع‘ (جبکہ یہ لوگ متحد ہوں) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۰۲۲ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ ’وھم جمع‘ روایت کیے گئے ہیں۔

’علی رجل واحد‘ (ایک شخص کے ماتحت) کا جملہ مسلم، رقم ۱۸۵۲ ج میں روایت کیا گیا ہے۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۱۸۵۲ الف میں ’فاقتلوہ‘ (تو اس کو قتل کر دو) کے بجائے ’فاضربوہ بالسیف‘ (تو اس کو تلوار کے ساتھ مار دو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۶ میں یہ الفاظ ’فاضربوا رأسہ بالسیف‘ (تو تلوار کے ساتھ اس کا سر مار دو) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۳۲۳ میں یہ الفاظ ’فاضربوا رأسہ‘ (تو اس کا سر مار دو) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۳ میں ’فاقتلوہ، کائنا من کان‘ (اس کو قتل کر دو، خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو) کے بجائے ’کائنا من کان، فاقتلوہ‘ (خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو، اس کو قتل کر دو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۰۲۱ میں ’کائنا من کان‘ (خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو) کے بعد ’من الناس‘ (لوگوں میں سے) کے الفاظ کا اضافہ ہے؛ بعض روایات، مثلاً ابن حبان، رقم ۴۵۷۷ میں ’کائنا من کان‘ (خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو) کے بعد ’فإن ید اللہ مع الجماعة وإن الشیطان مع من فارق الجماعة یرتکض‘ (بے شک، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہو جائے، شیطان اس کے ساتھ چلتا ہے) کے الفاظ کا اضافہ ہے، جبکہ بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۳ میں لفظ ’یرتکض‘ (وہ

چلتا ہے) کے بجائے اس کا مترادف 'یر کض' روایت کیا گیا ہے۔

بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۳۴۸۶ میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أیما رجل خرج یفرق بین أمتی فاضربوہ بالسیف.

''جو شخص میرے متبعین کے درمیان انتشار پھیلانے کے لیے نکلا، اس کو تلوار کے ساتھ مار دو۔''

بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۰۲۳ میں 'فاضربوہ بالسیف' (تو اس کو تلوار کے ساتھ مار دو) کے بجائے 'فاضربوا عنقه' (تو اس کی گردن مار دو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۱۸۵۲ ج میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أتاکم وأمرکم جمیع علی رجل واحد یرید أن یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم فاقتلوہ.

''جو شخص تمھارے پاس تمھاری حکومت توڑنے یا تمھاری جماعت کو منتشر کرنے کے لیے آئے، جبکہ تمھارے (مجموعی) معاملات ایک شخص کے ماتحت متحد ہوں، اس کو قتل کر دو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بیہقی، رقم ۱۶۴۶۸ میں 'وأمرکم جمیع' (جبکہ تمھارے (مجموعی) معاملات ایک شخص کے ماتحت متحد ہوں) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'وأمرکم جمع' روایت کیے گئے ہیں۔

دوسری روایت

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۸۱۵ میں 'فأعطاہ صفقة یدہ وثمرة قلبه' (اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے اور خلوص دل سے اس کی بیعت کرتے ہوئے) کے بجائے 'فأعطاہ ثمرة قلبه وصفقة یدہ' (خلوص دل سے اس کی بیعت کرتے ہوئے اور اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶ میں 'صفقة یدہ' (اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے) کے بجائے 'صفقة یمینه' (اپنا دایاں ہاتھ مارتے ہوئے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۱ میں لفظ 'رقبة' (گردن) کا مترادف لفظ 'عنق' روایت کیا گیا ہے۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۱۸۴۴ ا میں 'ما استطاع' (جہاں تک وہ کر سکے) کے بجائے 'إن استطاع'

(اگر وہ کر سکے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۷۷۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد طویل روایت کے ایک حصے کے طور پر درج ذیل الفاظ میں روایت کیا گیا ہے:

عـن عبـد الرحمٰن بن عبد رب الكعبة قال: دخلت المسجد فإذا عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص جالس فى ظل الكعبة والناس مجتمعون عليه فأتيتهم فجلست إليه، فقال: كنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى سفر فنزلنا منزلاً، فمنا من يصلح خباء ه ومنا من ينتضل ومنا من هو فى جشره إذ نادى منادى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصلوٰة جامعة فاجتمعنا إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إنه لم يكن نبى قبلى إلا كان حقًا عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم وينذرهم شر ما يعلمه لهم وإن أمتكم هذه جعل عافيتها فى أولها وسيصيب آخرها بلاء وأمور تنكرونها وتجىء فتنة فيرقق بعضها بعضًا وتجىء الفتنة فيقول المؤمن: هذه مهلكتى ثم تنكشف وتجىء الفتنة فيقول المؤمن: هذه هذه، فمن أحب أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتأته منيته وهو يؤمن باللّٰه واليوم الآخر وليأت إلى الناس الذى يحب

''حضرت عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو عبداللہ بن عمرو بن العاص کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے اردگرد جمع تھے۔ چنانچہ میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم نے ایک مقام پر قیام کیا۔ ہم میں سے بعض وہ تھے جو اپنے خیمے درست کر رہے، بعض وہ تھے جو تیراندازی میں مقابلہ کر رہے تھے اور بعض وہ تھے جو اپنے مواشی چرا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے نداء دی کہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع ہو جانا چاہیے، چنانچہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جو نبی بھی آیا، اس پر یہ فرض تھا کہ اپنے متبعین کی اس بات کے طرف رہنمائی کرے جس کو وہ ان کے لیے بہتر جانتا ہے، اور اس بات سے ڈرائے جس کو وہ ان کے لیے برا جانتا ہے، مگر تمھاری اس جماعت کی عافیت اس کے پہلے دور میں ہے اور اس کے بعد والے دور میں آزمایش اور ایسے امور در پیش ہوں گے جن کا تم انکار کرو گے اور یکے بعد دیگرے آزمایش آئے گی۔ جب آزمایش آئے گی تو مومن

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

أن يؤتى إليه ومن بايع إمامًا فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع، فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر، فدنوت منه فقلت له: أنشدك الله آنت سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فأهوى إلى أذنيه وقلبه بيديه وقال: سمعته أذناى ووعاه قلبى فقلت له: هذا بن عمك معاوية يأمرنا أن نأكل أموالنا بيننا بالباطل ونقتل أنفسنا والله يقول: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. قال: فسكت ساعة، ثم قال: أطعه فى طاعة الله واعصه فى معصية الله.

کہے گا کہ یہ میری ہلاکت لانے والی ہے۔ جب یہ آزمایش ختم ہو جائے گی تو ایک اور آزمایش آئے گی تو مومن کہے گا کہ یہ یقیناً مجھے ختم کرنے والی ہے۔ چنانچہ جو شخص جہنم سے بچنا چاہتا ہے اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان کی حالت میں فوت ہونا چاہیے اور اس کو لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرنا چاہیے، جس طرح کا وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ سلوک کریں۔ جو شخص کسی حکمران کی بیعت کرے ـــــ اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے، اور خلوص دل سے اس کی بیعت کرتے ہوئے ـــــ اسے چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، اس کی اطاعت کرے۔ پھر کوئی دوسرا شخص آئے اور اس سے حکومت چھیننے کی کوشش کرے، تو اس کی گردن مار دو۔ (راوی کہتے ہیں) پھر میں ان (عبداللہ بن عمرو بن العاص) کے قریب ہوا اور ان سے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں! کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے کانوں نے یہ سنا اور میرے دل نے اسے یاد کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا: یہ آپ کے چچا زاد معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہیں جو ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کا مال آپس میں باطل طریقے سے کھائیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’ اے ایمان والو، ایک دوسرے کے مال آپس میں
باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، الّا یہ کہ باہمی رضامندی
سے تجارت کی جائے اور اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو۔
بے شک، اللہ تعالیٰ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے‘‘۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص تھوڑی دیر کے لیے
خاموش ہو گئے اور پھر کہا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں
اس کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس
کی نافرمانی کرو۔‘‘

اس روایت کے مضامین اور مشمولات کی تفصیل الگ سے پیش کی جائے گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رضوان اللہ

کتاب و حکمت

کتاب و حکمت کے الفاظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آئے ہیں؛ الگ الگ سے بھی اور ایک ساتھ بھی۔ جن آیتوں میں یہ الگ آئے ہیں وہاں ان کے معنی کی تعیین میں مسئلہ پیدا ہوا اور نہ ہی کوئی قابل ذکر اختلاف واقع ہوا ہے، مگر جہاں یہ ایک دوسرے پر عطف ہو کر آ گئے ہیں وہاں کچھ علمی مسائل پیدا ہو گئے اور علما کے مابین اچھا خاصا اختلاف راے بھی ہو گیا ہے۔ ان کے استعمال کی اس مخصوص صورت میں، اہل تفسیر نے ان کے کیا معانی بیان کیے ہیں، اور جو معانی بیان کیے ہیں وہ قرآن کی زبان، اس کے سیاق اور اس کے عرف سے کس حد تک موافق ہیں؛ اس تحریر میں ہمارے پیش نظر انھی سب چیزوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس معاملے میں وہ کون سی راے ہے جو اپنی علمی حیثیت میں اس قدر وقیع ہے کہ وہ دیگر آرا سے فائق ہو جاتی اور بجا طور پر تقاضا کرتی ہے کہ اسے ہی قرین صواب سمجھا جائے اور اسے ہی قبولیت کی سند عطا کی جائے۔

یہ الفاظ اگرچہ دس آیتوں میں ایک دوسرے پر عطف ہو کر آئے ہیں، مگر اس تحریری مطالعے کے لیے ہم صرف ایک آیت کا انتخاب کر رہے ہیں۔ صرف ایک آیت کا انتخاب کرنا اور دس میں سے اسی ایک کو ترجیح دینا، اس کی وجہ بھی محض یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ اپنی اس صورت میں پہلی بار اسی میں استعمال کیے گئے ہیں، اور ہر مفسر نے اسی کے تحت اپنی تحقیق بیان کر دی اور پھر اسی تحقیق کو باقی نو آیتوں میں بھی بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رکھا ہے۔ وہ ایک آیت یہ ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ. (البقرہ ۲:۱۲۹)

’’اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو تیری آیتیں انھیں سنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاکیزہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بنائے۔اس میں شبہ نہیں کہ تو بڑا زبردست ہے، بڑی
حکمت والا ہے۔''

کتب تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث الفاظ کا مدعا بیان کرنے کے لیے جو آرا بھی اب تک اختیار کی گئی ہیں وہ سب کی سب، اپنے تنوع کے باوجود، بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں: ایک کے مطابق یہ الفاظ اکٹھے ہو کر آئیں یا پھر علیحدہ سے استعمال ہوں، دونوں صورتوں میں اپنا لغوی مفہوم ہی بیان کرتے ہیں۔ دوسری کے مطابق جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہو جائیں تو لغوی مفہوم سے ذرا سا اوپر اُٹھ جاتے اور اپنے مصداقات اور اصطلاحی معانی کا بیان کرنے لگتے ہیں۔اس فرق کا لحاظ رہے تو اس مسئلے کی تمام آرا کو صرف دو قسموں کے تحت پڑھا جا سکتا ہے۔

قسم اول

اس سلسلے کی ایک رائے وہ ہے جو ابن عباس[1] اور ابن جریج نے تفسیر کی کتابوں میں نقل کی ہے۔اس کے مطابق آیت میں 'الکتاب' کا لفظ اصل میں 'کتب یکتب' سے اسی طرح مصدر ہے، جس طرح کہ 'الکتابة' ہے، اور اسی کے مانند اس کا معنی بھی لکھنا اور تحریر کرنا ہی ہے۔ الفاظ کو لغوی انداز میں دیکھنے کا یہی وہ طرز ہے جس پر بعض دوسرے علمانے 'الحکمة' کا معنی بھی بیان کیا ہے۔ان کے مطابق 'الحکمة' سے مراد اصل میں وہ دانائی ہے جو صحیح فیصلہ کرنے یا کسی قول اور عمل میں صحیح رویہ اپنانے ، یا ابن زید کے الفاظ میں اچھائی کی رغبت اور برائی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے از حد ضروری ہوتی ہے۔ان سب آرا کی روشنی میں مذکورہ آیت کا ترجمہ کیا جائے تو وہ یوں ہوتا ہے: ''اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو انھیں لکھنا بھی سکھائے اور انھیں دانائی کا علم بھی دے''۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کتاب کا لفظ مصدری معنی میں بھی آ جاتا اور اس وقت اس کا معنی لکھنا اور تحریر کرنا ہی ہوتا ہے، اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ حکمت کا اصل معنی دانائی اور دانش مندی ہی ہے؛ مگر لغت کے ساتھ ساتھ آیت کا سیاق اور پھر دین کی حقیقت اور اس کے مقاصد کو بھی اگر سامنے رکھا جائے تو یہاں 'الکتاب' سے کتابت اور 'الحکمة'

[1] اگر اس رائے کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہے تو ہمارے خیال میں یہ بات انھوں نے آل عمران کی آیت ۴۸ کے بارے میں فرمائی ہوگی اور مفسرین نے اسے ان کی مستقل رائے سمجھ کر یہاں بھی بیان کر دیا ہوگا۔ بہر حال، ہم نے اسے یہاں ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

سے دانائی مراد لینے میں کچھ موانع حائل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

پہلا نبی اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ وہ لوگوں کی مادی ضرورتیں پوری کریں اور نہ ہی اس لیے کہ وہ کسی فلسفی اور حکیم کی طرح انھیں دانائی کے اسباق پڑھایا کریں کہ یہ سب دنیوی امور ہیں اور ان کے لیے انسان کو ودیعت کی گئی عقل و دانش ہی کفایت کرتی ہے۔ انھیں تو اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ آ کر اِتمام ہدایت کریں[2] اور اس ہدایت کو اس قدر واضح کر دیں کہ خدا کے حضور کسی کے لیے بھی عذر کرنے کا کوئی موقع نہ رہ جائے[3]۔ اب نبیوں کی بعثت کے یہ مقاصد اگر پیش نظر رہیں تو پھر ظاہر ہے، اُس رائے کو مان لینا ممکن نہیں رہتا جس کے مطابق ان عظیم ہستیوں کو شاید اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ آئیں اور اپنی قوم کو خواندہ بنائیں، اور آخر کار اُن میں لکھاری اور دانش ور قسم کی مخلوق پیدا کر ڈالیں۔

دوسرا یہ کہ مذکورہ آیت اصل میں حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا ایک جز ہے جو انھوں نے اس وقت مانگی ہے جب پروردگار عالم کی رضا جوئی کے لیے وہ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ آئے اور اپنی ذریت میں سے ایک حصے کو عرب کے صحرا میں بسا رہے ہیں۔ نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اس جگہ خداے واحد کی عبادت اور اس کی ہدایت کے فروغ کے لیے ایک مسجد بھی بنا رہے ہیں۔ ان عظیم مقاصد اور احوال کی اگر رعایت رہے تو ان حضرات کا اپنی دعا میں اس رسول کو طلب کرنا تو سمجھ میں آتا ہے جو آ کر انھی کے اہداف کو پورا کرے، مگر اس شخص کی طلب کرنا کسی بھی صورت سمجھ میں نہیں آتا جو مذکورہ اہداف کے بجاے اپنی قوم کی خواندگی کا لائحۂ عمل لے کر آئے اور جس کا آنا عبادت گاہ کے بجاے کسی اکیڈمی یا پھر کسی اسکول سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔

تیسرا یہ کہ ہمیں علم ہے کہ ان بزرگوں کی دعا قبول ہوئی اور قرآن مجید نے بھی اس قبولیت کی خبر یہ کہہ کر دی کہ وہ رسول آ چکا ہے اور انھی اوصاف کے ساتھ آ چکا ہے[4] جن کی خواہش انھوں نے اپنے رب سے کی تھی۔ اب قرآن مجید کی اس خبر کو اگر مانا جائے، اور ماننا بھی چاہیے، تو پھر اس رائے کو مان لینا ممکن نہیں رہتا، جس کے مطابق یہ دعا، کم سے کم، خواندگی کے معاملے میں قبول نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ وہ رسول اُمّی تھے۔ خود لکھنا پڑھنا جانتے تھے[5] اور نہ زندگی بھر کسی ایک فرد کو انھوں نے یہ سب کچھ سکھایا ہی۔

---

[2] الانبیاء ۲۱: ۴۷۔

[3] الانعام ۶: ۱۳۰، ۱۳۱۔

[4] الجمعہ ۶۲: ۳۔

[5] العنکبوت ۲۹: ۴۸۔

قسم دوم

بعض علما کے نزدیک 'الکتاب' کا لفظ یہاں تحریر کرنے کے معنی میں نہیں، بلکہ اپنے اصطلاحی اطلاق، یعنی قرآن مجید کو بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح 'الحکمۃ' کا لفظ محض صحیح فیصلے کے لیے نہیں، بلکہ حق و باطل میں صحیح فیصلے کے لیے اور کسی بھی قول و عمل میں صحیح رویے کے لیے نہیں، بلکہ دینی قول و عمل میں صحیح رویے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان لفظوں کی تفسیر میں یہی اقوال ہیں جو اپنی کامل صورت میں جب ایک رائے میں متعین ہو گئے تو وہ رائے ایسی مشہور اور مقبول ہوئی کہ زمانۂ حال اور سابق کے تمام علما نے اسے اختیار کر لیا، یہاں تک کہ اسے دنیاے تفسیر میں حرف آخر اور اس کے مقابل میں ہر دوسری رائے کو جادۂ مستقیم سے ہٹی ہوئی تصور کر لیا گیا[6]۔ یہ رائے حدیث اور فقہ کے جید عالم، امام شافعی کی رائے ہے[7] اور ان کی کتاب ''الرّسالۃ'' اور ''احکام القرآن''[8] میں تفصیل سے دیکھی جا سکتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شافعی کی رائے

ان کے نزدیک مذکورہ آیت میں 'الکتاب' سے مراد تو قرآن مجید ہی ہے، جیسا کہ اہل تفسیر کا عمومی موقف ہے، مگر 'الحکمۃ' کا لفظ اپنے کامل مصداق، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے لیے آیا ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں جو کچھ ان کی اور ان کے اصحاب کی طرف سے کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ 'الکتاب' کے بعد 'الحکمۃ' کا بیان چونکہ واو عطف کے ساتھ ہوا ہے جو کہ مغایرت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس سے مراد کتاب نہیں، بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔ اور وہ دوسری چیز سنت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ دین میں خدا کے ساتھ اگر کسی کی اطاعت کا حکم ہے تو وہ اس کے رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ اس رائے کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوتا ہے: اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو تیری آیتیں انھیں سنائے اور انھیں قرآن اور سنت کی تعلیم دے۔

---

[6] یہ بھی اس رائے کی شہرت اور قبولیت ہی کا شاخسانہ ہے کہ اس کے سب قائلین کا تذکرہ اگر ہم نام لے کر کریں گے تو یہ ایک طرح سے کار عبث ہی سمجھا جائے گا۔

[7] اہل علم بالعموم، اسے امام شافعی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وگرنہ قتادہ اور حسن بصری ان سے بھی پہلے، اسی رائے کے قائل ہیں۔

[8] ''الرسالۃ'' کی طرح ''احکام القرآن'' امام شافعی کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ امام بیہقی نے بڑی ہی محنت شاقہ کے ساتھ اسے بعد کے زمانوں میں مرتب کیا ہے۔

یہ راے اس لحاظ سے توصحیح ہے کہ وہ تمام اعتراضات جو سابقہ راے پر وارد ہوئے تھے وہ سب کے سب اس پر وارد نہیں ہوتے۔ مثلاً، اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دین کی حقیقت اور اس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی راے ہے، اس لیے کہ قرآن وسنت انسان کی دنیوی نہیں، بلکہ دینی ضرورت ہی ہیں۔ اس پر یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ دعاے سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل اور اس راے کے مصداقات میں کوئی بُعد ہے، اس لیے کہ ان سب میں ایک واضح مناسبت، بہر حال، پائی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ 'الکتاب' سے قرآن مراد لے لیا جائے تو ایسا کر لینے میں بھی، کم سے کم، لفظ کی حد تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر اس سب کے باوجود، کچھ سوالات پھر بھی ایسے ہیں جو اس راے پر بھی سر اٹھا لیتے اور ان کا جواب نہ ملے تو طبیعت میں خلجان پیدا کیے رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اس راے میں 'الحکمۃ' کو سنت سے تعبیر کر لینے کی تقریب محض اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ پہلے یہ سمجھ لیا گیا کہ 'الکتاب' سے مراد قرآن ہی ہے اور یہ بات گویا ایک طے شدہ حقیقت اور ناقابل انکار سچائی ہے۔ حالاں کہ 'الحکمۃ' سے مراد سنت ہے یا کچھ اور، یہ تو بعد کی بات ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں 'الکتاب' سے قرآن ہی مراد ہے، خود اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ اسی قرآن میں یہ لفظ ایک سے زیادہ معانی کے لیے آیا ہے اور ان مختلف معانی کے ہوتے ہوئے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ بنا کسی دلیل اور قرینے کے ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر پھر اسے ہی لفظ کا حتمی مصداق قرار دے لیا جائے، یہاں تک کہ اسی کی روشنی میں بعد والے لفظ کا مصداق بھی متعین کیا جائے۔ تاہم، ہو سکتا ہے اس کے جواب میں کوئی یہ کہہ دے کہ 'الکتاب' سے متصل پہلے تلاوت آیات کا ذکر ہو جانا، اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ لفظ لازمی طور پر یہاں قرآن ہی کے معنی میں ہے۔ اس پر پھر یہ سوال ہوگا کہ جن مقامات پر ان کی یہ ترتیب بدل گئی اور دونوں کے درمیان فصل آ گیا ہے، وہاں بھی اس سے قرآن مراد لے لینے کا آخر کیا قرینہ ہے؟[9] اور یہ بھی کہ ان جگہوں پر جہاں سرے سے آیات کا ذکر ہی نہیں، وہاں کون سا ایسا قرینہ ہے جس کی بنیاد پر 'الکتاب' کو پھر بھی قرآن کا عین متبادل سمجھ لیا جا سکتا ہے؟[10]

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس بات میں تو کوئی بحث نہیں کہ واو یہاں مغایرت کے لیے ہے، اس لیے لازم ہے کہ 'الحکمۃ' کو 'الکتاب' سے الگ چیز سمجھا جائے، مگر وہ الگ چیز کیا سنت ہی ہے، اس دعوے کی مذکورہ راے میں کیا دلیل ہے؟ اور اس سلسلے میں ان کی طرف سے یہ کہہ دینے کی بھی کیا حیثیت ہے کہ اللہ کے ساتھ چونکہ اس کے

۹۔ جیسے اس آیت میں: 'یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ' (البقرۃ ۲:۱۵۱)۔

۱۰۔ مثال کے طور پر اس آیت میں: 'وانزل اللہ علیك الکتاب والحکمۃ' (النساء ۴:۱۱۳)۔

رسول کی اطاعت بھی لازم کی گئی ہے، اس لیے 'الحکمۃ' یہاں سنّت ہی کے مفہوم میں ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ کی سنت کا واجب الاطاعت ہونا اور اس آیت میں 'الحکمۃ' سے مراد سنت ہونا، دونوں باتیں ہرگز ایسی نہیں ہیں کہ ایک سے دوسرے پر دلیل لائی جاسکے۔[11]

تیسرا سوال یہ ہے کہ سنت سے مراد اگر عملی ہدایات ہیں تب بھی اور اگر اس سے مراد قرآن مجید کی تفہیم وتبیین ہے تب بھی، اس کے اور 'الحکمۃ' کے درمیان کون سا معنوی اشتراک ہے کہ جس کی بنیاد پر انھیں ایک دوسرے کا مصداق قرار دیا جاسکے؟ اس لیے کہ لفظ اور اس کے مصداق میں کچھ نہ کچھ اشتراک ضرور ہوا کرتا ہے، جیسے قرآن اور 'الکتاب' کے لفظ میں وہ مشترک عنصر بالکل نمایاں ہے کہ جس کی بنیاد پر ایک کو دوسرے کی مراد قرار دے لینا پھر بھی روا ہوسکتا ہے۔ بلکہ 'الحکمۃ' اور سنت کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہاں کسی اشتراک کا پایا جانا تو کجا، 'الحکمۃ' کا لغوی مفہوم ہی اس بات سے اِبا کرتا ہے کہ اس کو رائج شدہ عمل یا کسی شرح ووضاحت کا مصداق سمجھ لیا جاسکے۔[12] اور اگر کہیں سنت سے عملی ہدایات اور تفہیم وتبیین کے بجاے ہر نوع کی احادیث مراد لے لی جائیں تو صورت حال مزید غیر معقول ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان احادیث میں صرف حکمت ہی نہیں، رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ، تاریخ عرب، اخبار غیب اور احوال آخرت سمیت بہت سی دوسری چیزیں بھی پائی جاتی ہیں؛ اور ان سب کو حکمت کے جزئی نام سے موسوم کر دینا، کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ البتہ، یہاں ممکن ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ جس طرح نماز کے اجزا مثلاً، سجدہ اور رکوع بول کر بعض اوقات ہم پوری نماز مراد لے لیتے ہیں، اسی طرح سنت کا ایک جز چونکہ حکمت بھی ہے، اس لیے اس ایک جز کو بول کر ہم پوری سنت بھی مراد لے سکتے ہیں۔ اس پر پھر یہ سوال اٹھے گا کہ حکمت کے یہ مضامین صرف سنت کے ساتھ تو مخصوص نہیں، یہ تو قرآن میں بھی پائے جاتے، بلکہ احادیث کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ مذکورہ آیت میں قرآن کے لیے 'الکتاب' کا علیحدہ لفظ لایا گیا؟ اور کیوں نہ اسے بھی 'الحکمۃ' کے تحت ہی بیان کر دیا گیا؟

اس راے پر چوتھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ البقرہ کی زیر بحث آیت میں تو نہیں، مگر ایک اور جگہ 'الحکمۃ' کے ساتھ جو 'انزل' کا فعل آ گیا ہے[13] تو اس کے ہوتے ہوئے کیا یہ ممکن بھی ہے کہ اس سے سنت یا پھر اس کے ایک ماخذ،

---

[11] سوال یہ ہے کہ سنت کے واجب الاطاعت ہونے کے جب بہت سے دلائل ہمارے پاس موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے کیا لازم ہے کہ اسے پھر بھی حکمت ہی کے لفظ سے ثابت کیا جائے؟

[12] کچھ حضرات نے حکمت کا معنی مصالح اور منافع سے کر کے اس میں اور سنت میں ایک قدرے مشترک بیان کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو اس سلسلے میں واضح رہے کہ یہ اس لفظ کے مولد معانی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یعنی حدیث کو مراد لیا جا سکے؟ اس لیے کہ 'انـزل' کا فعل حدیث اور سنت کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے قرآن نے بھی اس فعل کو استعمال نہیں کیا ہے[14]۔ تاہم اس پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'انـزل' کا فعل چاہے حدیث وسنت کے لیے موزوں نہیں، مگر اسے ان کے ساتھ بالکل اسی طرح لایا گیا ہے جس طرح قرآن ہی میں لوہے اور اَنعام[15] کے ساتھ اسے لایا گیا ہے، اور اس سے مقصود حدیث وسنت کے ماخذ کا پتا دینا اور ان کے ذریعے سے ہم پر ہونے والی عنایت خاص کو بیان کرنا ہے۔ اس دلیل کو احتمال کے درجے میں سہی، بہرحال مان لیا جا سکتا تھا، مگر ایک جگہ 'الحکمة' کے ساتھ جب 'یتلی' کا فعل آ گیا تو اس کا بھی کوئی موقع نہ رہا[16]۔ وہاں جب یہ فرما دیا گیا کہ اے نبی کی بیویو، اللہ کی ان آیات اور اس حکمت کا ذکر کرو جو تمھارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کے بعد یہ بالکل واضح ہو گیا کہ 'الحکمة' جو کچھ بھی ہو، مگر حدیث وسنت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث وسنت ایسی شے نہیں کہ جس کی تلاوت کی جاتی ہو اور نہ ہی کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے گھرانے میں اس کی تلاوت کی جایا کرتی تھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حمیدالدین فراہی کی رائے

اس مسئلے میں ایک رائے وہ ہے جسے قرآنی علوم کے جید عالم، اس کتاب کے اسرار سے حد درجہ آشنا اور اس کی حکمت کے بلند پایہ عارف، امام حمیدالدین فراہی نے بیان کیا ہے۔ ان کے شاگرد، مولانا امین احسن اصلاحی بھی ''تدبر قرآن'' میں اسے ہی بیان کرتے[17] اور خود مولانا کے تلمیذ خاص، جناب جاوید احمد صاحب غامدی بھی ''البیان''

---

[13] 'وانزل اللّٰه علیکم الکتاب والحکمة' (النساء ۴: ۱۱۳)۔

[14] قرآن مجید میں حدیث کے ساتھ تنزیل کا فعل جو آیا بھی ہے تو وہاں حدیث سے مراد حدیث نبوی نہیں، بلکہ اس کا لغوی مفہوم ہی ہے۔

[15] آیات کے حوالے بالترتیب، یہ ہیں: الحدید ۵۷: ۲۵، الزمر ۳۹: ۶۔

[16] 'واذکرن مایتلٰی فی بیوتکن من اٰیٰت اللّٰه والحکمة' (الاحزاب ۳۳: ۳۴)۔

[17] یاد رہے، مولانا نے البقرہ، آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں تو اس رائے کے بجائے عمومی رائے ہی کو بیان کیا ہے، مگر اسی سورہ کی آیت ۲۳۱ اور اس کے بعد کی باقی تمام آیات میں امام فراہی کی رائے کو اختیار کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں مولانا کا یہ عمل کوئی فکری ارتقا ہے اور نہ اپنے استاذ سے کسی طرح کا اختلاف ہے، بلکہ محض ایک تسامح ہے جو ''تدبر قرآن'' کی پہلی جلد کی تسوید کے دوران میں صحت کے کچھ مسائل کی وجہ سے ان سے ہو گیا ہے۔ نیز ہمارا یہ کہنا محض قیاس بھی نہیں کہ واقفان حال بھی کچھ ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

میں اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔اس راے کے مطابق کتاب وحکمت کے الفاظ قرآن مجید میں جب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر استعمال ہوں تو اول الذکر سے کتابت یا پھر قرآن مجید نہیں، بلکہ قانون اور شریعت کے احکام مراد ہوتے ہیں اور ثانی الذکر سے دانائی اور سمجھ داری یا پھر حدیث اور سنت نہیں، بلکہ ایمان اور اخلاق مراد ہوتے ہیں۔

زیر بحث الفاظ کی تحقیق میں جو آرا ابھی اب تک بیان ہوئی ہیں، ہمارے نزدیک مذکورہ راے ان سب میں سے درست اور مبنی برحق، اور اس میں بیان کردہ مصداقات ان الفاظ کی صحیح ترین تعبیر ہیں۔یہی وہ راے ہے جو اپنے اندر واضح تر علمی وفکری بنیادیں رکھتی، اس میں دین کی حقیقت سے گہری واقفیت پائی جاتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں قرآن مجید کی تصریحات سے اعراض یا پھر انحراف نہیں، بلکہ ان کے ساتھ صد فی صد مطابقت پائی جاتی ہے۔تاہم اس پر دو بڑے اہم سوال ہیں جن کا جواب اگر دے دیا جائے تب ہی علمی دنیا میں اس کا صائب اور معقول ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے: پہلا یہ کہ اس راے میں بیان کردہ کتاب وحکمت کے مطالب کی قرآن مجید میں بنیاد کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہو کر آئیں تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ان کے معانی وہی ہوں گے جو اس راے میں مذکور ہوئے ہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب جو امام فراہی کی کتاب ''مفردات القرآن'' میں بیان ہوئے اور انھی کی توضیح میں کچھ مزید اضافوں کے ساتھ بیان ہو سکتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتاب کا معنی

کتاب کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔مثال کے طور پر آیت قرآنی 'لو لا کتاب من اللّٰه سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم[18]' میں یہ قضا اور فیصلے کے لیے اور 'یایّها الملؤا انّی القی الی کتاب کریم[19]' میں یہ مکتوب، یعنی خط کے لیے استعمال ہوا ہے۔'و لا اصغر من ذٰلك و لا اكبر الا في كتاب مبين[20]'۔میں یہ کتاب کے لیے آیا ہے تو 'الم، ذٰلك الكتاب[21]' میں یہ صرف کتاب کے لیے نہیں، بلکہ خدا کی کتاب کے لیے آیا ہے۔اسی طرح آیت 'قال الذی عنده علم من الكتاب[22]' میں یہ محض قانون

---

[18] ''اگر اللہ کی طرف سے 'فیصلہ' نہ کر دیا گیا ہوتا تو جو روش تم نے اپنائی اس کے باعث ایک بڑا عذاب تمھیں آ کر رہتا'' (الانفال ۸:۶۸)۔

[19] ''اے اہل دربار، میری طرف ایک گراں قدر 'خط' گرایا گیا ہے'' (النمل ۲۷:۲۹)۔

[20] ''نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز ہے مگر وہ ایک واضح 'کتاب' میں درج ہے'' (یونس ۱۰:۶۱)۔

[21] ''یہ سورہ الم ہے، یہ 'کتاب الٰہی' ہے'' (البقرہ ۲:۱-۲)۔

کے معنی میں استعمال ہوا ہے،مگر 'و لا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله[23]' میں یہ خاص قانون شرعی کے لیے استعمال ہوا ہے؛ اور اس لفظ کا یہ وہی معنی ہے جس کا مذکورہ رائے میں دعوی کیا گیا ہے، بلکہ اس مخصوص معنی کے لیے وہ آیت تو بالکل ہی واضح ہے جس میں مردار، خون، سور کے گوشت اور غیر اللہ کے ذبیحے کے بارے میں قانون شرعی بیان کرنے کے بعد اس لفظ کو یوں لایا گیا ہے: 'ان الذین یکتمون ما انزل اللّٰه من الکتاب[24]'۔ غرض یہ کہ ان تمام حوالوں سے یہ بات آخری درجے میں ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح 'الکتاب' سے کئی دوسرے مفاہیم مراد لیے جاتے ہیں، اسی طرح قانون اور پھر اسی کا ایک مصداق، یعنی شریعت کا قانون بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے۔

حکمت کا معنی

یہ لفظ بھی قرآن مجید میں کئی مطالب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر آیت قرآنی 'و شددنا ملکه واتینه الحکمة[25]' میں اس کا مطلب قوت فیصلہ ہے۔ 'ادع الٰی سبیل ربك بالحکمة[26]' میں اس سے مراد دلیل و برہان ہے۔ 'و من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا[27]' میں اس کا معنی دانائی اور سمجھ داری ہے۔ اور 'و لقد اٰتینا لقمٰن الحکمة ان اشکر للّٰه[28]' میں یہ اس دانائی کے لیے آیا ہے جو انسان کے اچھے خلق کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب جہاں تک اس لفظ کے ان معنوں کا ذکر ہے جو مذکورہ رائے میں بیان ہوئے ہیں، یعنی ایمان اور اخلاق تو قرآن مجید کی روشنی میں ان کی تعیین اس طرح ہوتی ہے:

جس طرح قرآن میں 'الکتاب' کا معنی واضح ہوا ہے، یعنی پہلے شریعت کے قانون کا بیان ہوا اور پھر اس کے

۲۲؎ ''جس کے پاس 'قانون' کا علم تھا اس نے کہا'' (النمل ۲۷: ۴۰)۔

۲۳؎ ''اور نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک 'قانون' اپنی مدت پوری نہ کر لے'' (البقرہ ۲: ۲۳۵)۔

۲۴؎ ''بے شک جو لوگ اس 'قانون شرعی' کو چھپاتے ہیں جسے اللہ نے اتارا ہے'' (البقرہ ۲: ۱۷۴)۔

۲۵؎ ''ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور اس کو 'قوت فیصلہ' عطا فرمائی تھی'' (ص ۳۸: ۲۰)۔

۲۶؎ ''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف 'دلائل و براہین' کے ساتھ دعوت دو'' (النحل ۱۶: ۱۲۵)۔

۲۷؎ ''اور جسے یہ 'فہم' دیا گیا، اسے تو درحقیقت خیر کثیر کا ایک خزانہ دے دیا گیا'' (البقرہ ۲: ۲۶۹)۔

۲۸؎ ''ہم نے لقمان کو 'دانائی' عطا کی تھی کہ اللہ کے شکر گزار رہو'' (لقمان ۳۱: ۱۲)۔

لیے لفظ کتاب کا استعمال ہو گیا، اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں انسانی اخلاق کے فضائل اور اس کے رذائل تفصیل سے بتا دینے کے بعد جب یہ کہہ دیا گیا: 'ذٰلك مما اوحی الیك ربك من الحکمة'[29]، تو یہاں بھی آپ سے آپ واضح ہو گیا کہ 'الحکمة' کا ایک مطلب اخلاق بھی ہے۔

'الحکمة' کے دوسرے معنی، یعنی ایمان کی بھی قرآن مجید نے ایک جگہ وضاحت کر دی ہے، اور اس کے لیے تصریف آیات کا وہ عمل کیا ہے جس میں ایک لفظ کو ایک جگہ بیان کیا جاتا اور دوسری جگہ اس کا متبادل رکھ کر اس کا معنی و مفہوم کھول دیا جاتا ہے۔ مثلاً، آیت 'تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان'[30] میں 'اثم' اور 'عدوان' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے مفہوم کو اس طرح کھولا ہے کہ ایک جگہ 'اثم' کے بجائے 'ظلم'[31] کا لفظ اور ایک جگہ 'عدوان' کے بجائے 'البغی'[32] کا لفظ رکھ دیا ہے، اور اس طرح یہ واضح کر دیا ہے کہ اول الذکر سے مراد حق تلفی اور دوسروں کا حق دبا لینا ہے اور ثانی الذکر سے مراد دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا ہے۔ سو تصریف آیات کے اسی طرز پر، قرآن مجید نے آیت 'ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان'[33] میں 'الحکمة' کا لفظ حذف کیا اور اس کی جگہ 'الایمان' کا لفظ استعمال کر دیا، اور اس طرح نہایت واضح انداز میں ہمیں بتا دیا کہ 'الحکمة' کا ایک معنی ایمان بھی ہے۔[34]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۹؎ ''یہ وہ 'اخلاقی تعلیم' ہے جو تمھارے رب نے تمھاری طرف وحی کی ہے'' (۱۷: ۳۹)۔

۳۰؎ البقرہ ۲: ۸۵۔

۳۱؎ جیسے اس آیت میں: 'ومن یفعل ذٰلك عدوانا وظلما' (النساء ۴: ۳۰)۔

۳۲؎ مثلاً، اس آیت میں: 'قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق' (الاعراف ۷: ۳۳)۔

۳۳؎ الشوریٰ ۴۲: ۵۲۔

۳۴؎ کتاب و حکمت، ان دونوں کے معنی کی طرف ایک مقام پر اکٹھے بھی اشارہ ہو گیا ہے۔ سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت ا 'یسبح للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض الملك القدوس العزیز الحکیم' میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے، اور اس کے بعد آیت ۲ 'ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمة' میں ان چاروں صفات کے تقاضے ترتیب وار بیان ہو گئے ہیں۔ اور ان میں سے عزیز کے مقابل میں قانون کی تعلیم اور حکیم کے مقابل میں حکمت کی تعلیم، غور طلب ہے۔ لیکن، بہرحال، یہ اشاراتی نوعیت ہی کی چیز ہے۔

کتاب وحکمت کا معنی

یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ کتاب قانون کے لیے اور حکمت ایمان و اخلاق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان کا یہ استعمال خود قرآن میں بھی ہوا ہے، اب دوسرے سوال کو لیتے ہیں ۔یعنی قرآن میں جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہو کر آئیں تو کیا اس وقت بھی ان سے یہی مفاہیم مراد ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے:

زبان کا یہ عمومی عمل ہے کہ لفظ جس طرح سیاق کے بدل جانے سے تعمیم اور کبھی تخصیص میں چلا جاتا ہے، اسی طرح یہ کسی خاص لفظ کے ساتھ آ جائے تو بھی اپنے اندر اس قسم کی تبدیلیاں پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے بھی لفظ 'اثم' اور 'عدوان' کی مثال کفایت کرتی ہے۔ 'اثم' جو مطلق گناہ کے لیے اور 'عدوان' جو محض اقدام کے لیے بھی آ جاتا ہے[۳۵]، ہم جانتے ہیں کہ جب یہ ایک دوسرے کے مقابل میں استعمال ہوں تو دیگر سب معانی سے مجرد ہو جاتے اور بالترتیب، حقوق کی تلفی اور ان پر تعدی کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح کتاب و حکمت کے الفاظ جن آیتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ آئے ہیں، وہاں تقابل کے اسی اصول پر یہ اپنے دوسرے معانی سے مجرد اور کچھ معنوں میں خاص ہو جاتے ہیں۔

وہ خاص معانی کیا ہیں؟ انھیں معلوم کرنے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ تمام آیات کا تتبع کر لیا جائے اور جو معانی ہر جگہ ٹھیک بیٹھتے، منشاے متکلم کو واضح کرتے اور کلام کے مدعا کا صحیح ترین ابلاغ کرتے ہوں، انھیں اختیار کر لیا جائے۔ لیکن اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں اگر کوئی وضاحت موجود ہو تو اس کو دیکھ لیا جائے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں اس طرح کی وضاحتیں، بالعموم، کی بھی جاتی ہیں؛ اور اس وضاحتی عمل کو تفصیل بعد از اجمال اور ایک دوسری اصطلاح میں توضیح بعد از ابہام کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شے کو ابہام یا پھر اجمال میں ذکر کرنے کے بعد پھر اس کی توضیح اور تفصیل کر دی جاتی ہے، اور یہ عمل کسی دوسری سورہ یا پھر اسی سورہ کی کسی دوسری آیت اور بعض مرتبہ اسی خاص آیت میں بھی ہو سکتا ہے۔ مسئلۂ زیر بحث میں یہ عمل یوں ہوا ہے کہ آیت 'ویعلمه الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل'[۳۶]۔ میں کتاب وحکمت کے بعد واو بیانیہ لایا گیا اور پھر یہ وضاحت کر دی گئی کہ

۳۵؎ البقرہ ۲:۱۹۳۔ حرب بسوس کے سلسلے میں کہا گیا الفند الزمانی کا یہ شعر بھی اس کی مثال ہو سکتا ہے: 'ولم يبق سوى العدوان دناهم كما دنوا'۔

۳۶؎ آل عمران ۳:۴۸۔

یہ دونوں اپنی حقیقت میں تورات وانجیل ہی ہیں۔ اب تورات چونکہ سراسر قانون اور انجیل محض ایمان واخلاق کے مباحث پر مشتمل ایک کتاب ہے،[37] اس لیے یہ بات بھی آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ کتاب وحکمت سے مراد بھی اصل میں قانون اور ایمان واخلاق ہی ہیں۔ نیز اسی وضاحت کی بنیاد پر ہر اس مقام کی بھی جس میں کتاب وحکمت کا اکٹھے ذکر ہوا تھا، وضاحت ہوگئی کہ وہاں بھی ان سے مراد، بہر حال، قانون اور ایمان واخلاق ہی ہیں۔

ہوسکتا ہے اس مقام پر کوئی یہ سوال کرے کہ کتاب وحکمت میں سے کس سے مراد قانون ہے اور کس سے مراد ایمان واخلاق ہے، اس بات کی یہاں کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ کیوں روا نہیں کہ ہم مذکورہ راے کے برعکس، کتاب سے ایمان واخلاق اور حکمت سے قانون مراد لے لیں؟ یہ جان لینے کے بعد کہ مذکورہ الفاظ جب الگ سے استعمال ہوں تو کتاب سے مراد قانون ہوتا اور حکمت سے مراد ایمان واخلاق ہوتے ہیں، مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں رہتی، مگر پھر بھی اس کا جواب ایک اور طریقے سے بھی دیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی بھی اچھے کلام میں بعض اوقات متعدد چیزوں کو بیان کرنے کے بعد ان کے متعلقہ امور کو انھی کی ترتیب میں اور کبھی اس سے اُلٹ ترتیب میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عمل ترتیب وار ہو تو بلاغت کی اصطلاح میں لف ونشر مرتب کہلاتا اور اگر اس کے برعکس ہو تو لف ونشر غیر مرتب کہلاتا ہے۔[38] اور ان دونوں میں سے متکلم نے کس عمل کو اختیار کیا ہے، اس میں فیصلہ کن شے بیان کردہ امور کے بارے میں قاری اور سامع کا ذاتی علم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ''یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں ـــــ سکون وآرام کرو اور اس میں ـــــ اس کا فضل تلاش کرو۔[39]'' اس آیت میں ظاہر ہے، متکلم کو یہ بتانے کی کوئی حاجت نہیں کہ آرام کرنے اور روزی تلاش کرنے کے افعال دن اور رات میں سے کس کس سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ ہر پڑھنے اور سننے والا اپنے علم کی بنیاد پر بخوبی جان لے سکتا ہے

۳۷؎ ان کی یہ حیثیت الہامی کتب کے ہر طالب علم پر تو واضح ہے، قرآن نے بھی اس کو واضح کردیا ہے۔ اس نے تورات کے کئی قوانین کا جابجا حوالہ دیا اور انجیل کے اصلاً حکمت پر مبنی ہونے کا بیان بھی کیا ہے، جیسے اس آیت میں: 'قد جئتكم بالحكمة' (الزخرف ۴۳: ۶۳)۔

۳۸؎ اردو میں لف ونشر مرتب کی مثال کے لیے اقبال کا یہ شعر پڑھا جاسکتا ہے: پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا۔ اور غیر مرتب کے لیے میر کا یہ شعر:

ایک سب آگ، ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

۳۹؎ 'و من رحمته جعل لكم اليل و النهار لتسكنوا فيه و لتبتغوا من فضله' (القصص ۲۸: ۷۳)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کہ رات سکون وآرام سے اوردن روزی روٹی کی تلاش سے متعلق ہے۔ بالکل اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی جب کتاب وحکمت کے بعدتورات اورانجیل کے الفاظ آجاتے ہیں تو قرآن کا ہروہ طالب علم جوسابقہ الہامی کتب کا بھی کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہو،نہایت آسانی سے جان لیتا ہے کہ یہاں لف ونشرمرتب ہوا ہےاورتورات کتاب کااورانجیل حکمت ہی کا بیان ہے؛اورنتیجتاً کتاب وحکمت سے مراد بالترتیب،قانون اورایمان واخلاق ہی ہے۔

مذکورہ راے کے مبنی بردلائل ثابت ہوجانے کے بعدضمنی طور پرایک اور بات بھی اس کی تائیدمیں کہی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ علمی لحاظ سے یہ انتہائی وقیع،قابل قدراور بہت سی آیتوں کی شرح ووضاحت کرنے والی راے تو ہے ہی،اسے اگرمان لیا جائے تو کئی دوسری حقیقتیں بھی دریافت ہونے لگتی ہیں۔مثال کے طورپرایک یہی بات کہ دین اپنی اصل میں دوچیزوں کا مجموعہ ہے:اس میں یا تو مابعدالطبیعیاتی اوراخلاقی اساسات کا بیان ہوتا ہے کہ جسے ایمانیات اور اخلاقیات کہتے ہیں،یا پھرانھی اساسات پرمبنی حدود،قیوداورکچھ مراسم کا بیان ہوتا ہے کہ جسے شریعت کا نام دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ دین کی یہ اتنی بڑی حقیقت تب ہی معلوم ہوسکتی ہے جب مذکورہ راے کے مطابق آیات کو دیکھا جاے؛اور بالخصوص،اس آیت کو:'و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ'[40]۔ اس میں قرآن نے بحیثیت مجموعی دین کاذکرکرنے کے بجاے،جواس کاعمومی انداز بھی ہے،متبادل کے طور پراس کے اجزا،یعنی کتاب اورحکمت کو بیان کیا ہےاوراس طرح مذکورہ بالاحقیقت کی طرف گویاانگلی رکھ کراشارہ کردیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

---

[40] آل عمران۳:۸۱۔

محمد وسیم اختر مفتی*

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

[''سیر وسوانح'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲

۲۶ھ میں گورنر کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور والی بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعود میں سخت جھگڑا ہوا۔ حضرت سعد نے بیت المال سے قرض لے رکھا تھا جو مقررہ مدت میں واپس نہ کر سکے۔سیدنا عمر کو پتا چلا تو حضرت سعد کو معزول کر دیا۔ ۲۹ھ میں خلیفۂ سوم سیدنا عثمان نے منیٰ میں ظہر کی نماز قصر کرنے کے بجاے پوری چار رکعتیں پڑھا دیں تو حضرت علی، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان پر سخت تنقید کی۔خلیفۂ سوم حضرت عثمان نے عبداللہ کو ان کے منصب سے ہٹایا تو لوگ اکٹھے ہو گئے اور ابن مسعود سے کہا، یہیں ٹھہریں اور نہ جائیں۔اگر کوئی ناپسندیدہ بات ہوئی تو ہم آپ کا دفاع کریں گے۔عبداللہ نے جواب دیا، اطاعت مجھ پر لازم ہے۔ دور فتن آنے والا ہے، میں نہیں چاہتا کہ اس کا افتتاح کرنے والا بن جاؤں۔ایک حج کے موقع پر سیدنا عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود سے منیٰ میں ملے اور انھیں الگ لے جا کر کسی کنواری دوشیزہ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا، مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔(بخاری، رقم ۵۰۶۵، مسلم، رقم ۳۳۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی دس آیات سیکھ لیتے تو اس کے بعد نازل ہونے والی آیات اس وقت تک نہ یاد کرتے جب تک پہلی آیات کا مکمل علم حاصل نہ ہو جاتا۔

حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں، ہم حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے کہ خباب بن ارت آ کر کھڑے ہو

* drwaseem_mufti@yahoo.com۔

گئے اور پوچھا، کیا آپ کے سب شاگرد اسی طرح قراءت کرتے ہیں جیسے آپ کرتے ہیں۔ ابن مسعود نے کہا، آپ کہیں تو ان میں سے ایک کو تلاوت کرنے کو کہوں۔ اثبات میں جواب ملنے پر مجھے قراءت کرنے کا حکم دیا۔ ایک شاگرد زید بن حدیر نے کہا، آپ نے علقمہ کو کہا ہے، حالانکہ وہ ہمارے بہترین قاری نہیں۔ ابن مسعود نے اسے ڈانٹ دیا۔ میں سورۂ مریم کی پچاس آیتیں تلاوت کر چکا تو عبداللہ نے کہا، علقمہ نے ویسی قراءت ہی کی ہے جیسے میں کرتا ہوں۔ پھر وہ خباب کی طرف متوجہ ہوئے، ان کی انگلی میں موجود سونے کی انگوٹھی کو دیکھ کر کہا، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اس انگوٹھی کو اتار پھینکیں؟ خباب نے انگوٹھی اتاری اور کہا، اب آپ اس کو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ (بخاری، رقم ۴۳۹۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا، اگر غسل جنابت کی حاجت رکھنے والے شخص کو پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ جواب دیا، وہ پانی نہ ملنے تک نماز ہی نہ پڑھے۔ ابوموسیٰ نے کہا، پھر عمار بن یاسر کے بیان کا کیا جائے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لیے تیمّم کافی قرار دیا تھا اور قرآن مجید کی اس آیت 'فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدًا طیبًا' 'تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو' (سورۂ مائدہ ۵:۶) پر کیسے عمل کیا جائے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف اتنا کہا، اگر ہم نے یہ رخصت دے دی تو کسی کو پانی ٹھنڈا لگا تو وہ بھی تیمّم کرنا شروع کر دے گا۔ (بخاری، رقم ۳۴۶) حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، (عہد نبوی میں) ہمارا تجربہ تھا کہ صرف کھلا نفاق رکھنے والا منافق یا بیمار شخص ہی باجماعت نماز چھوڑتا تھا۔ اگرچہ مریض بھی دو افراد کا سہارا لے کر مسجد میں آ جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدایت کی تعلیم دی ہے، ان میں سے ایک اس مسجد میں نماز ادا کرنا ہے جس میں باقاعدہ اذان دی جاتی ہو۔ (مسلم، رقم ۱۴۳۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تشہد سکھایا کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ مجھے قرآن کی سورت بھی ایسے ہی سکھایا کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب الاستئذان: باب ۲۸) یہ وہی تشہد ہے جو ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، ایک بار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد کی نماز میں شریک ہوا۔ آپ مسلسل کھڑے رہے، اتنی دیر کہ میں ایک برا عمل کرنے ہی لگا تھا۔ سامعین نے پوچھا، وہ کیا تھا؟ کہا، میں نے چاہا کہ آپ کو کھڑا رہنے دوں اور خود بیٹھ جاؤں۔ (بخاری، رقم ۱۱۳۵، مسلم، رقم ۱۴۶۵) ایک عید کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو صدقہ کرنے کی خاص طور پر تلقین کی۔ پہلے مردوں کو پھر الگ سے عورتوں کو انفاق پر انگیخت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ زینب آپ سے ملنے پہنچ گئیں اور کہا، میرے پاس کچھ زیورات ہیں جو میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں، لیکن ابن مسعود کہتے ہیں، وہ اور ان کے بچے اس زیور کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، وہ سچ کہتے ہیں، انھی کا حق زیادہ ہے۔ (بخاری، رقم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۴۶۲) زینب نے دوبارہ سوال کیا، کیا میں اپنا انفاق اپنے شوہر اور اپنی پرورش میں موجود یتیموں پر خرچ کر سکتی ہوں؟ جواب فرمایا، ہاں، ایسا کرنے سے دہرا اجر ملے گا، ایک حق قرابت ادا کرنے کا، دوسرا انفاق کا۔ (بخاری، رقم ۱۴۶۶) عبداللہ بتاتے ہیں، (۸ ذی الحجہ، عرفہ کی رات) ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی۔ آپ تلاوت فرما رہے تھے اور میں آپ کے دہن مبارک سے ادا ہونے والی آیات یاد کر رہا تھا۔ آپ کی زبان ذکر وحی سے تر تھی کہ ایک سانپ ہم پر آ کودا۔ آپ نے فرمایا، مار وا سے۔ ہم اس کے پیچھے لپکے، لیکن وہ بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا، ''وہ تمھارے شر سے بچ نکلا ہے جیسے تم اس کے شر سے بچ گئے ہو۔'' (بخاری، رقم ۱۸۳۰، مسلم، رقم ۵۸۹۶) حجاج منیٰ کے بلند مقام سے جمرۂ کبریٰ (بڑے شیطان) کو کنکریاں مارتے تھے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود وادی کے نشیب میں جاتے، منیٰ ان کے داہنے ہاتھ اور بیت اللہ بائیں طرف ہوتا۔ ہر کنکری پر اللہ اکبر پکارتے۔ رمی کرنے کے بعد انھوں نے کہا، اسی طرح اس جگہ پر اس ذات اقدس نے رمی کی تھی جس پر (اسی مقام میں) سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی۔ (بخاری، رقم ۱۷۴۸، ۱۷۵۰، مسلم، رقم ۳۱۱۴) مزدلفہ کے مقام پر اور وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے عبداللہ بن مسعود نے تلبیہ (لبیك اللّٰھم لبیك) کہا اور بتایا، اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہا اور ہم نے آپ کے ساتھ لبیک کی صدا لگائی۔ (مسلم، رقم ۳۰۷۲) حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، روزہ دار کو علی الصبح تیل لگانا اور کنگھی کرنی چاہیے۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۲۵) ان کا فتویٰ ہے، جس نے کسی عذر اور بیماری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑا، ساری عمر روزہ رکھتا رہے تو بھی اس کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۲۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود نماز پر بہت زور دیتے، البتہ نفلی روزے کم رکھتے تاکہ خدمت کے کاموں کے لیے طاقت برقرار رہے۔ یوم عاشور پر اشعث ان سے ملنے گئے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ انھوں نے کہا، آج تو عاشورا کا دن ہے۔ ابن مسعود نے جواب دیا، رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے اس دن روزہ رکھا جاتا تھا۔ اب اس کی فرضیت ختم ہو گئی ہے، اگر روزہ نہیں تو آپ بھی کھانا کھا لیں۔ (بخاری، رقم ۴۵۰۳، مسلم، رقم ۲۶۲)

محارب بن دثار کہتے ہیں، میرے چچا مسجد نبوی گئے تو ایک مناجات کرنے والے کی آواز سنی، ''اللہ! تو نے بلایا تو میں آ گیا، مجھے حکم دیا تو میں نے اطاعت کر لی۔ یہ سحر کا وقت ہے، میری مغفرت کر دے۔'' غور کیا تو معلوم ہوا کہ آواز ابن مسعود کے گھر سے آ رہی ہے۔ چچا نے ان سے ذکر کیا تو انھوں نے بتایا، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے دعاے مغفرت کی استدعا کی تو انھوں نے کہا، میں جلد ہی اپنے رب سے تمھاری بخشش کی دعا کروں گا۔ پھر دعا کو وقت سحر تک موخر کر دیا۔ ابن مسعود نے کسی کے گھر میں تصویر لگی دیکھی تو ملاقات کیے بغیر لوٹ

آئے۔(بخاری، کتاب النکاح، باب:۷۶)

تابعی عبدالرحمان نخعی کہتے ہیں، ہم حذیفہ بن یمان کے پاس گئے اور ان سے پوچھا، ہمیں اس صحابی کے بارے میں بتائیں جو ہدایت یافتہ ہونے اور راہ راست پا جانے میں سب لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہو۔ہم ان سے ملیں اور کچھ سماع کر لیں۔انھوں نے بتایا، ہدایت و رہنمائی پا جانے اور صحیح سمت پر چلنے میں ابن مسعود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مماثل تھے۔(بخاری، رقم ۳۷۶۲، ترمذی، رقم ۳۸۰۷) شقیق کی روایت میں یہ اضافہ ہے، گھر سے نکلنے اور لوٹنے تک ان کی یہی کیفیت ہوتی، گھر میں اکیلے کیا کرتے، ہم نہیں جانتے۔(بخاری، رقم ۶۰۹۷) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، میں نے اگر مشورہ کیے بغیر کسی کو امارت سونپنا ہوتی تو ابن ام عبد کے سپرد کرتا۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۹) عبداللہ بن مسعود کو جنت کی بشارت بھی ملی۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۴)

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر خطبہ دیا پھر فرمایا، ابوبکر! اٹھو، خطاب کرو۔سیدنا ابوبکر اٹھے اور آپ سے مختصر تر خطاب کیا۔پھر آپ نے سیدنا عمر سے خطاب کو کہا، انھوں نے سیدنا ابوبکر سے بھی تھوڑی گفتگو کی۔پھر آپ نے ایک اور صحابی کو کہا، کھڑے ہو کر بات کرو۔انھوں نے آواز بنا بنا کر نکالنی شروع کی تو آپ نے منع فرما دیا اور کہا، ابن ام عبد! تم اٹھو اور بولو۔ابن مسعود کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا، اللہ ہمارا رب اور اسلام ہمارا دین ہے۔قرآن ہمارا امام اور بیت اللہ ہمارا قبلہ ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ ہمارے نبی ہیں۔ہم اس طریقے پر راضی ہیں جو اللہ اور رسول نے ہمارے لیے پسند کیا ہے اور اس کام کو ناپسند کرتے ہیں جو اللہ اور رسول نے ہمارے لیے پسند نہیں کیا۔والسلام علیکم۔تب آپ نے ارشاد فرمایا، ابن ام عبد نے سچ اور درست کہا۔میں اس پر راضی ہوں جو اللہ نے میری امت کے لیے اور ابن ام عبد نے پسند کیا (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۸) اور وہ ناپسند کرتا ہوں جو اللہ نے میری امت کے لیے اور ابن ام عبد نے پسند نہیں کیا۔یہ روایت معجم طبرانی اور تاریخ دمشق میں بیان ہوئی ہے، لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

سیدنا علی فرماتے ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو پیلو کے درخت پر چڑھ کر اس کی مسواک اتارنے کو کہا۔تیز ہوا سے ان کی ٹانگوں سے کپڑا ہٹ گیا، لوگ ان کی سوکھی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسنے لگے۔آپ نے پوچھا، تمھیں کس بات کی ہنسی آ رہی ہے؟ جواب دیا، پتلی اور کم زور ٹانگیں دیکھ کر۔فرمایا، میزان اعمال میں یہ احد پہاڑ سے زیادہ وزن کی حامل ہوں گی۔(مسند احمد، رقم ۹۲۰، مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۵) کچھ اہل ایمان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت علی کے پاس بیٹھے تھے، آپس میں باتیں کرتے ہوئے انھوں نے اتفاق کیا، ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے زیادہ بااخلاق، بہتر معلم، اچھا ہم نشین اور زیادہ پرہیز گار نہیں دیکھا۔ سیدنا علی نے قسم دے کر پوچھا، کیا تم یہ بات صدق دل سے کہہ رہے ہو؟ جواب ملا، ہاں۔ کہا، میں بھی اللہ کو گواہ بنا کر ان کی یہی یا ان سے بھی زیادہ خوبیاں مانتا ہوں۔ اس مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود ابن مسعود منکسر المزاج تھے، کہتے، اگر تمھیں میرے گناہوں کا علم ہو جائے تو میرے پیچھے دو آدمی بھی نہ چلیں بلکہ الٹا میرے سر پر مٹی ڈالیں۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۲) حضرت عمرو بن عاص کا آخری وقت آیا تو جزع فزع کرنے لگے۔ کہا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قریب رکھتے تھے اور ذمہ داریاں سونپتے تھے۔ جواب دیا، معلوم نہیں، یہ آپ کی محبت تھی یا محض تالیف قلب مقصود ہوتی۔ اس کے برعکس دو آدمیوں کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وفات کے وقت ان سے بہت محبت فرماتے تھے، ابن ام عبد اور ابن سمیہ۔ (مسند احمد، رقم ۱۷۷۸۱)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’...اللہ تعالیٰ نے حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کی صلاحیت اور انسانوں کو اختیار کی نعمت دے کر اس کو دونوں طرح کے حالات سے آزمایا، اس کے سامنے نفس اور شیطان کی طرف سے شر و باطل بھی آتا ہے اور فطرت اور خدائے رحمان کی طرف سے خیر اور حق بھی۔ اس طرح اس کے عقل و ارادے کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ خیر اور حق کو اختیار کرتا ہے یا شر و باطل کو۔‘‘ (تدبر قرآن ۲/ ۵۲۳)

پروفیسر الطاف احمد اعظمی*

صلوٰۃ (نماز)

[یہ مصنف کی طبع شدہ کتاب ''اسلامی عبادات: تحقیقی مطالعہ'' کا ایک جز ہے۔ قارئین ''اشراق'' کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث بالاقساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲

گذشتہ حصے میں درج آیات میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ ساری طاقت اللہ کے ہاتھ میں ہے 'اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا'۔ یہ حقیقت اس دنیا میں پوشیدہ ہے، لیکن آخرت کے دن سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس وقت ان لوگوں کو بڑی پشیمانی ہوگی جو دنیا میں قوم کے نیک بندوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ صاحب قوت ہیں، مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہیں، اور روز آخرت ان کی شفاعت کریں گے۔ لیکن وہاں معاملہ الٹا ہوگا۔ وسیلے کی رسی کٹ چکی ہو گی، دنیوی تعلقات ٹوٹ چکے ہوں گے اور وہ بالکل بے یارو مددگار رہوں گے۔ اپنے جن مقتداؤں کی طاقت اور شفاعت پر ان کو بھروسا تھا وہ ان سے منہ پھیر لیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم تمھاری مدد سے عاجز ہیں۔ ہم کل بھی بے اختیار تھے اور آج بھی بے اختیار ہیں۔ ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ ہم صاحب اختیار ہیں اور روز آخرت تمھاری مشکل کشائی کریں گے۔ 'اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ'۔

یہ ہوش ربا منظر دیکھ کر وہ کف افسوس ملیں گے اور غصے کے عالم میں کہیں گے کہ اے کاش ہم کو ایک بار اور دنیا میں جانے کا موقع ملتا تو اپنے مذہبی رہنماؤں کو دکھاتے کہ کس طرح اظہار براءت کیا جاتا ہے 'وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ

* آر زیڈ ۹۰۱ بی، فلیٹ نمبر ۲۰۴، تغلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی -۱۹۔

اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُ وْا مِنَّا ' لیکن حسرت وغم کے سوا اور کچھ بھی ان کو حاصل نہ ہوگا اور وہ جہنم کی دائمی سزا سے دوچار ہو کے رہیں گے' كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ '۔

معلوم ہوا کہ کوئی مخلوق مافوق الفطرت قوت (Super natural power) نہیں رکھتی اور اسی لیے غیر خدا کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ، اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. (سورۂ نحل ۱۶: ۲۰-۲۱)

''اور اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردے ہیں نہ کہ زندگی رکھنے والے، اور نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

دوسری جگہ ہے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ. (سورۂ رعد ۱۳: ۱۴)

''اسی کو پکارنا برحق ہے۔ اور اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی مشکل کشائی نہیں کر سکتے۔ ان کو پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے درآں حالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جو لوگ نادانی کی وجہ سے غیر خدا کو پکارتے ہیں اور اپنی حاجات و بلایا میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ دراصل ان کے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ان کی پکار سنتے ہیں اور سنتے ہی نہیں، ان کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں اور ان کی تردید اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں چند اور آیات ملاحظہ ہوں:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰـؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (سورۂ یونس ۱۰: ۱۸)

''اور وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دو (اے پیغمبر): کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اسے علم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ پاک اور بلند ہے

اس کی ذات ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔''

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ، وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ.

(سورۂ یونس ۱۰: ۱۰۶-۱۰۷)

''اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اگر اللہ تمھیں کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس تکلیف کو دور کر سکے۔ اور اگر وہ تمھارے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس فضل سے نوازتا ہے۔ وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔''

قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا يَمۡلِكُوۡنَ كَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡكُمۡ وَلَا تَحۡوِيۡلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الۡوَسِيۡلَةَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا. (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۶-۵۷)

''کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن کو معبود سمجھ رکھا ہے ان کو (اپنی مشکلات میں) پکار دیکھو، نہ وہ تم سے کسی مصیبت کو دفع کر سکیں گے اور نہ ہی وہ اس کو ٹال سکیں گے۔ جن کو وہ پکارتے ہیں (اور خدا کے ہاں ذریعۂ تقرب سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے طلب گار ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ اور بے شک تمھارے رب کا عذاب ایسی چیز ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔''

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ. (سورۂ مائدہ ۵: ۷۶)

''(اے پیغمبر) کہہ دو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تم کو نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع، اور اللہ ہی سننے والا اور (ہر چیز کی) خبر رکھنے والا ہے۔ (اس کے سوا یہ قدرت کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے)۔''

اس آیت سے ٹھیک پہلے جو آیت ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور اکل و شرب کی بنیاد پر ان کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بشر ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔اس کے بعد ہی مذکورہ آیت ہے 'قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا 'اس سے بالکل واضح ہے کہ آیت میں 'مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، جن کو عیسائی نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر پکارتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی ایک بڑی تعداد اس شرک وضلالت میں مبتلا ہے۔

مذکورہ آیت میں جن لفظوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نافع وضار ہونے یعنی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت رکھنے کی تردید کی گئی ہے تقریباً انھی لفظوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نافع وضار ہونے کی بھی تردید کی گئی ہے۔مثلاً آیت ذیل ملاحظہ ہو:

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا، قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا. (سورۂ جن ۷۲: ۲۱-۲۲)

''کہہ دو، میں نہ تم کو کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔کہہ دو، مجھے کوئی بھی اللہ سے پناہ دینے والا نہیں بنے گا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ گاہ پا سکوں گا (اگر میں نے اس کی نافرمانی کی)۔''

کسی کو نفع ونقصان پہنچانا تو درکنار ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی حاصل نہ تھا۔ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ. (سورۂ یونس ۱۰: ۴۹)

''کہہ دو، میں اپنی ذات کے معاملے میں بھی کسی نقصان اور نفع پر کوئی اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے۔''

غور فرمائیں، جب اللہ کے یہ دو جلیل القدر پیغمبر کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے تو اولیا واقطاب کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ ان کو نفع ونقصان کا اختیار حاصل ہے کیونکر صحیح ہوگا۔کیا ان کا رتبہ انبیا سے بڑھ کر ہے؟ کون مسلمان بقید ہوش وحواس اس بات کو تسلیم کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ صرف اللہ کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں 'ما شاء اللّٰہ و شئت' آپ نے فرمایا، تو نے تو مجھے اللہ کا شریک (ند) بنا لیا، مشیت صرف اللہ کی ہے[1]۔

[1] بیہقی، کتاب الاسماء والصفات ۱۱۰ (اس میں ند کی جگہ ''عدل'' کا لفظ ہے: 'اجعلتنی للّٰہ عدلا بل شاء اللّٰہ وحدہ' ''کیا تو نے مجھے اللہ کا برابر بنا لیا، بلکہ ایک اللہ جو چاہے۔'' مزید دیکھیں، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۷۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ آپ کی دعوت کیا ہے؟ فرمایا، ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیری تکلیف رفع کرے گا، اگر تو کسی ویرانے میں گم ہو جائے اور اس کو پکارے تو تجھے واپس لا دے گا، اگر تو قحط سالی سے دوچار ہو اور اس کو پکارے تو وہ تیرے لیے اگا ئے گا۔[۲]''

[باقی]

''ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات مروج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد آپس میں ملتے جلتے وقت ابتدائی تعارف، اظہار محبت و اعتماد، نشان اخوت و مودت اور علامت وحدت فکر و عقیدہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ معاشرتی اتصال و ارتباط کے نقطۂ نظر سے ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ معاشرے کے افراد، خواہ ان کے اندر کتنی ہی دوری و بے گانگی ہو، آمنے سامنے ہوتے ہی ان کے واسطے سے اس طرح باہم ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں گویا ان کے اندر کوئی اجنبیت و بے گانگی تھی ہی نہیں۔ عربوں میں اس مقصد کے لیے بہت سے الفاظ اور فقرے معروف تھے۔ مثلاً حیاک اللہ، اہلاً و سہلاً مرحبا، وغیرہ۔ سلام کا لفظ بھی معروف تھا۔ جب اسلامی معاشرہ ظہور میں آیا تو بجز ان کلمات کے جن میں شرک کی کوئی آلایش تھی باقی تمام پاکیزہ کلمات باقی رہے البتہ ''السلام علیکم'' کو ایک خاص اسلامی شعائر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ کلمہ گویا مومن و کافر کے درمیان ایک علامت فارقہ بن گیا۔'' (تدبر قرآن ۲/۳۵۶)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

---

۲ مسند امام احمد بن حنبل ۵/ ۶۴، مزید دیکھیں، الاستیعاب، ابن عبدالبر ۱/ ۸۷ و تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۷۰۔

پروفیسر خورشید عالم

میاں بیویوں کے کفیل ہی ہیں

عزیزم رضوان اللہ نے ''اشراق'' کے مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارے میں شائع شدہ میرے مضمون کے جواب میں مختصر نوٹ لکھا ہے جس میں کچھ حوالے پیش کیے ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے، کیونکہ سند سے بات کرنا اہل علم کا شیوہ ہے۔ پڑھنے والوں کے یہاں حوالے نہ معروف ہوتے ہیں اور نہ مقبول، کسی کے استدلال پر تبصرہ کرنا اہل علم کا حق ہے اس سے اخلاقی قدروں کا استیصال نہیں ہوتا، عزیزم الفاظ ذرا سوچ سمجھ کر استعمال کیا کریں۔

'قام الرجل علی المرأۃ' کے بارے میں جو حوالہ جات صاحب مضمون نے دیے ہیں۔ ان کا جواب میں نے مذکورہ مضمون میں دے دیا ہے، اعادہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ صرف دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر لغت میں اس محاورے کا ترجمہ پہلے 'مأنھا' کیا ہے اور پھر اس کے بعد 'قام بشأنھا' جو 'مأنھا' کی تشریح ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے عورت کے کام کا یعنی اس کے اقتصادی امور کا ذمہ لیا، اس سے سربراہ کے معنی کیسے پیدا ہو گئے؟ یہ بات تو 'مأنھا' کے ذکر کے بغیر بھی کہی جا سکتی تھی۔ دوسرے میں نے ابن فارس کے حوالہ سے لکھا تھا کہ یہ قیام عزم ہے، یعنی کسی کام کا ذمہ لینا نہ کہ قیام حتم جس کے معنی ہیں کسی کے اوپر کھڑا ہونا۔ پھر میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ صاحب ''لسان العرب'' نے 'قام الرجل علی المرأۃ' کا محاورہ ذکر کرنے کے فوراً بعد قرآن کی آیت 'الرجال قوّامون علی النساء' کو بطور مثال پیش کیا ہے۔

رضوان صاحب کو بتانا چاہتا ہوں کہ جوہری کی کتاب کا نام ''الصحاح'' ہے جو ایک مستند لغت ہے، عربی کا ہر طالب علم ''صحاح'' اور اس کے انتخاب ''مختار الصحاح'' کے نام سے واقف ہے۔ لگتا ہے کہ صاحب مضمون نے کتاب دیکھے بغیر حوالہ نقل کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

اب آتے ہیں لفظ 'قنوت' کے حوالوں کی طرف، میں نے اپنے مضمون میں سب سے پہلے ابن فارس (م۳۰۵ھ) کی ''معجم المقاییس'' کا حوالہ دیا ہے جو ہر لفظ کا مادہ اور ہر مادہ کے بنیادی معنی بتاتی ہے۔ان کا قول ہے کہ 'قنت' کا فعل دین کے بارے میں اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر انھوں نے اس کے معنی دین میں استقامت، نماز میں طول قیام اور سکوت کے بھی بتائے ہیں۔ صاحب قاموس مجدالدین فیروز آبادی (م۷۳۹ھ) نے اس میں دعا اور تواضع کے معنوں کا اضافہ کیا ہے۔

دوسرا حوالہ میں نے امام راغب (م۵۰۲ھ) کی ''المفردات فی غریب القرآن'' کا حوالہ دیا ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کی معروف لغت ہے اور اسے سب علما اس بارے میں ماخذ مانتے ہیں۔ امام راغب نے 'قنوت' کے معنی خشوع و خضوع کے ساتھ اطاعت کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر لازم کرنا لیے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ہی بولا جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لفظ 'قنوت' قرآن کی نظر میں

اب دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی داخلی شہادت کیا ہے، کیونکہ قرآن کی داخلی شہادت کے مقابلہ میں کوئی شہادت پر کاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں ان تمام آیات کو جن میں 'قنوت' کا لفظ 'قانت'، 'قانتون'، 'قانتات'، 'اِقنتی' اور 'یقنت' کی شکل میں استعمال ہوا ہے اس ترتیب سے پیش کروں گا جس ترتیب سے مفردات میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے: 'قوموا للّٰہ قانتین' (۲:۲۳۸) ''خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔'' بعض نے 'قانتین' کے معنی 'طائعین' کے لیے ہیں (جیسا کہ زجاج کا قول ہے) یعنی اطاعت کی حالت میں۔ ابن سِیدہ کا بھی یہی قول ہے چنانچہ زجاج اور ابن سِیدہ اطاعت کو 'قنوت' کے اصل معنی تصور کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں کرتے ہیں 'القانت القائم لجمیع امر اللّٰہ' یعنی 'قانت' اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری لانے والے کو کہا جاتا ہے۔ بعض اس کے معنی 'خاضعین' یعنی خشوع و خضوع کی حالت میں کرتے ہیں اور بعض اس کے معنی 'ساکتین' (خاموش رہنے والے) کرتے ہیں۔

'کلٌّ لہ قانتون' (۲:۱۱۶) ''سب اس کے فرماں بردار ہیں۔'' اس کے معنی بھی بعض نے 'طائعون' (فرماں بردار) بعض نے 'خاضعون' یعنی خشوع و خضوع کرنے والے اور بعض نے 'ساکتون' (چپ چاپ) کیے ہیں۔

اللہ کا ارشاد ہے: 'انّ ابراھیم کان امّۃ قانتا' (۱۶:۱۲۰) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور اللہ کے

فرماں بردار تھے۔'' حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ارشاد ہے 'و کانت من القانتين '(۱۲:۶۶)''وہ فرماں برداروں میں سے تھیں۔'' یہاں دو باتیں ذہن میں رکھی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ بے شوہر تھیں اور دوسری یہ کہ ان کے لیے 'قانتات ' کے بجائے مذکر کا حصہ 'قانتين ' استعمال ہوا ہے۔ مریم سیدہ کے بارے ارشاد ہے: 'اقنتي لربك ' (۴۳:۳)''اپنے پروردگار کی فرماں برداری کر۔''

ارشاد باری ہے: 'امن هو قانت اناء اليل ساجدا و قائما '(۹:۳۹)''یا وہ جو رات کے وقت سجدہ کر کے اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے۔''

اللہ کا ارشاد ہے: 'و من يقنت منكن لله و رسوله '(۳۱:۳۳)''اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی۔''

ارشاد ربانی ہے: 'و القانتين و القانتات '''اللہ کے فرماں بردار مرد اور اللہ کی فرماں بردار عورتیں''۔ کیا فرماں بردار مرد بیویوں کے فرماں بردار ہوں گے؟

اللہ کا ارشاد ہے: 'فالصالحات قانتات '''پس صالح عورتیں اللہ کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔''

اب خدا لگتی کہیں کہ جب پورے قرآن میں 'قانتات ' اور 'قانتون ' کا لفظ اللہ کی اطاعت کرنے والے، خشوع و خضوع کرنے والے اور خاموشی سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں تو صرف اس آیت میں خاوند کی فرماں برداری کے معنی کیسے لیے جا سکتے ہیں؟ پھر زیر نظر آیت کے اندر ہی ایک واضح دلیل ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہاں 'قنوت ' کے معنی مرد کی فرماں برداری نہیں۔ سورۂ نساء (۴) کی زیر بحث آیت ۳۴ کے آخر میں اللہ کا قول 'فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا '''اور اگر وہ تمھاری فرماں بردار ہو جائیں تو پھر انھیں سزا دینے کا بہانہ مت ڈھونڈو۔'' یہاں مردوں کی اطاعت کے لیے 'قنت ' کی جگہ 'اطاع ' استعمال ہوا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ 'قانتات ' سے مراد صرف اللہ کی فرماں بردار ہیں۔

اب ذرا قرآن حکیم کے جملے پر نظر ڈالیں: ''جو صالح عورتیں ہیں وہ وفا شعار ہوتی ہیں۔'' دین میں استقامت اختیار کرنے والی اور اعمال صالحہ سر انجام دینے والی عورتوں کو صالح کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی عورتیں اللہ کی فرماں بردار ہوتی ہیں نہ کہ مرد کی۔

اگر آپ کسی ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی سے پوچھیں کہ ان دو جملوں میں سے کون سا درست ہے؟ ۱۔ صالح عورتیں اللہ کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور اس کے حکم پر چلتی ہیں۔ ۲۔ صالح عورتیں مرد کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے حکم پر چلتی ہیں۔ وہ فوراً کہے گا پہلا فقرہ درست ہے اور دوسرا غلط، کیونکہ اللہ کا حکم ماننے والی شوہر کا جائز حکم ضرور مانے گی، جبکہ ضروری نہیں کہ مرد کا حکم ماننے والی اللہ کا حکم مانے۔

لفظ 'قنوت' حدیث کی نظر میں

صاحب ''لسان العرب'' کا قول ہے کہ حدیث میں بھی لفظ 'قنوت' اطاعت، خشوع، نماز، قیام، دعا اور عبادت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً 'تفکّرُ ساعةٍ خیر من قنوت لیلةٍ' ''پل بھر کی سوچ و بچار پوری رات کے قیام سے بہتر ہے۔'' اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'افضل الصلوٰة طول القنوت' ''سب سے بہتر نماز وہ ہے جس میں نمازی ہمہ تن عبادت میں مصروف ہو۔'' اور حدیث میں ہے 'مثل المجاهد فی سبیل اللّٰه کمثل القانت الصائم' ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا نماز پڑھنے والا اور روزہ رکھنے والا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لفظ 'قنوت' مفسرین کی نظر میں

بعض مفسرین نے تابعین کرام کے حوالے سے 'قانتات' کے معنی صرف 'مطیعات' کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ مجاہد، ابن عباس اور سدی نے صرف 'مطیعات' (فرماں بردار) ترجمہ کیا ہے۔ صاحب ''تاج العروس'' نے لکھا ہے کہ اس لفظ کی اصل اطاعت ہے۔ ''محکم'' میں ابن سِیدہ اور ''صحاح'' میں جوہری کا بھی یہی قول ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ 'قنوت' استعمال ہوا ہے وہ محض اطاعت کے معنوں میں ہے۔ اللہ کے قول 'قوموا للّٰه قانتین' کے بارے میں شعبی، جابر، زید، عطاء اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد اطاعت ہے اور حضرت ابوسعید خدری سے بھی یہی مروی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے اس سے مراد صرف اطاعت لیے ہیں وہ اسے صرف اللہ کی اطاعت سمجھتے ہیں۔ ابن الانباری نے 'اقامة الطاعة' (یعنی اطاعت کو قائم کرنا) کہہ کر اسے مزید واضح کر دیا ہے۔ امام بیضاوی، امام نسفی نے ''مدارک التنزیل'' اور قاضی ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں اور صاحب ''کتاب التسہیل'' نے 'قانتات' کا ترجمہ صرف 'مطیعات' کیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''اللہ اور اپنے خاوند کی فرماں بردار''۔

امام ابن جریر نے سفیان ثوری اور قتادہ کی روایت سے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔ امام رازی صاحب روح المعانی،

تفسیر المنار، فی ظلال القرآن اور صفوۃ التفسیر میں صابونی نے بھی یہ ترجمہ کیا ہے۔ گویا انھوں نے قرار دیا ہے کہ خاوند کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے تابع ہے، کیونکہ 'لا طاعة فی معصیة الخالق' مولانا مودودی نے بڑی خوب صورت بات کہی ہے۔ انھوں نے اس کا ترجمہ صرف وفا شعار کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ''عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت سے اہم اور اقدم اپنے خالق کی اطاعت ہے، لہٰذا اگر کوئی شوہر خدا کی معصیت کا حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت سے انکار کر دینا عورت کا فرض ہے۔ اس صورت میں اگر وہ اس کی اطاعت کرے گی تو گنہ گار ہو گی۔'' مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس کا ترجمہ مطلقاً وفا شعار کیا ہے، یعنی اللہ کی فرماں بردار۔

اب آتے ہیں حوالہ جات کی طرف، یوں معلوم ہوتا ہے کہ عزیزم رضوان اللہ نے حوالے بادل نخواستہ دیے، کیونکہ بقول ان کے حوالوں کی ضرورت اہل علم کو نہیں ہوتی، یعنی اس کی ضرورت تو مجھ جیسے کم علم کو ہوتی ہے۔ دراصل لفظ 'قنوت' اور 'قانت' ان کا مسئلہ ہی نہیں ان کا مسئلہ تو یہ ثابت کرنا ہے کہ مرد بیوی پر حاکم، مسلط اور سربراہ ہوتا ہے۔ پس بیوی کو لازماً اس کا حکم ماننا چاہیے۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر انھوں نے حوالے تلاش کیے ہیں۔ گویا وہ اپنے آپ کو حوالوں کے تابع بنانے کے بجائے حوالے کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔

لغت کی تین مستند کتابوں جوہری کی ''صحاح''، فیروز آبادی کی ''القاموس المحیط'' اور زبیدی کی ''تاج العروس'' میں لفظ 'قنوت' کے ضمن میں شوہر کی فرماں برداری کا نشان تک نہیں ملتا۔ اس لیے یہ کہنا کہ 'قنتت المراۃ لزوجھا' ماہرین لغت کے ہاں ایک معروف محاورہ ہے، قطعی غلط ہے۔ عزیزم رضوان اللہ نے 'قنتت المراۃ لزوجھا' کے سلسلہ میں تین حوالے دیے ہیں۔ میں صرف ''لسان العرب'' اور ''اساس البلاغۃ'' کے حوالوں پر بات کروں گا، کیونکہ ''اقرب الموارد'' قرآنی مفردات کے بارے میں کوئی مستند کتاب نہیں۔ بقول رضوان اللہ انھوں نے عربی کسی استاذ سے نہیں پڑھی، بلکہ (Self Studied) ہیں۔ مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ ایسا شخص ''صحاح''، ''قاموس''، ''لسان العرب'' اور ''تاج العروس'' جیسی لغات کی امہات الکتب سے عربی لفظ کی تلاش کیسے کر سکتا ہے۔ یہ کام استاذ کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے مجھے گمان گزرتا ہے کہ انھوں نے کتاب پڑھے بغیر انٹرنیٹ سے معلومات حاصل کی ہیں اور ان میں سے بھی وہ فقرہ چنا ہے جو ان کی مطلب برآری کرتا ہے۔ حالانکہ ''لسان العرب'' کا عام بحث سے ہٹ کر لکھا ہوا فقرہ بھی ان کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ ''لسان العرب'' کے کچھ حوالے میں نے اوپر دیے ہیں مگر یہاں لفظ 'قنوت' کے تحت ساری بحث کا مفہوم دوں گا، تاکہ شک کی کوئی گنجایش نہ رہے۔ ''لسان العرب'' میں یہ بحث یوں ہے:

'القنوت': خاموشی اور کہا گیا ہے کہ نماز میں دعا، خشوع، عبودیت کا اقرار، ایسی اطاعت بجالانا جس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو اور کہا گیا ہے کہ کھڑا ہونا اور ثعلب کے قول کے مطابق یہی اصل ہے ـــــ نماز پڑھنے والے کو 'قانت' کہا جاتا ہے ـــــ حدیث میں یہ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً اطاعت، خشوع، نماز، دعا، عبادت، قیام اور خاموشی۔ ابن سیدہ کا قول ہے کہ 'قنوت' کے اصل معنی اطاعت کے ہیں اور اللہ کا قول 'القانتین و القانتات' (۳۳:۳۵) اور 'کل لہ قانتون' (۲:۱۱۶) انھی معنوں میں ہے، یعنی اطاعت کرنے والے۔ یہ اطاعت عبادت کی مستحق ہے، بلکہ یہ ارادہ ومشیت کے تابع ہوتی ہے۔ 'قانت' کے معنی ذکر کرنے والا ہے، جیسے کہ اللہ کے قول 'امن هو قانت' (۳۹:۹) میں ہے۔ 'و کانت من القانتین' (۶۶:۱۲) میں 'قانتین' کے معنی عابدین (عبادت کرنے والے) ہیں۔ 'قانت' کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو بجالانے والا ہے۔ ابن سیدہ کا قول ہے کہ 'قانت' وہ ہے جو اللہ کے تمام احکام کو بجالانے والا ہو۔ اس بحث کے آخر میں عجاج کا یہ مصرعہ نقل ہوا ہے:

ربّ البلاد و العباد القنّت

''ملکوں کا اور فرماں بردار بندوں کا پروردگار۔''

اس بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب ''لسان العرب'' 'قانت' سے کیا مراد لیتے ہیں۔ عزیزم رضوان اللہ نے یا تو یہ بحث پڑھی نہیں یا دیدہ ودانستہ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ''لسان العرب'' کی بحث کے آخر میں ایک جملے کا حوالہ دیا ہے اور وہ بھی ان کا مقصد پورا نہیں کرتا۔ حوالہ بھی انھوں نے پورا نقل نہیں کیا جو علمی دیانت کے منافی ہے۔ حوالہ یوں ہے: 'و قَنَتَ له: ذَلّ و قَنَتَتَ المراۃَ لِبعلِها اقرَّتُ' حرف واو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اطاعت کے علاوہ اسی لفظ کے دوسرے معنی بتا رہے ہیں یعنی 'و قنت لہ'۔ وہ اس کے آگے ذلیل اور حقیر ہو گیا۔ عورت نے اپنے شوہر کے سامنے اقرار کر لیا۔ یعنی صاحب ''لسان العرب'' یہاں یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ذلیل وحقیر ہو گئی۔ اگر صاحب مضمون اس محاورے سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کو مبارک ہو۔ بہر کیف صاحب ''لسان العرب'' نے اطاعت کے سلسلہ میں مرد کی اطاعت کا ذکر تک نہیں کیا۔ زمخشری نے ''اساس البلاغۃ'' میں لفظ 'قنت' کے تحت لکھا ہے 'قانت للّٰہ مطیع خاشع' وہ اللہ کا فرماں بردار اور اس کے آگے خشوع وخضوع کرنے والا ہے۔ اور اس کے بعد 'قنت المراۃ لزوجها' کا ذکر کیا ہے۔ گویا کہ شوہر کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری کے تابع ہے اور جب ہم 'الصالحات قانتات' کا ترجمہ یہ کریں گے کہ ''صالح عورتیں اللہ کی وفادار ہوتی ہیں'' تو اس میں جائز کاموں میں شوہر کی اطاعت خود بخود شامل ہو گی۔ اور امام رازی کے قول کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ کے حقوق کو ادا کرنے

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

والا ہی بندوں کے حقوق کو پورا کر سکتا ہے۔ زیر نظر آیت میں پہلے اللہ کا حق، یعنی اس کی فرماں برداری اور اس کے بعد شوہر کے حق یعنی اس کے رازوں کی حفاظت کا ذکر ہے۔

رضوان اللہ اور اس کے ہم خیال لوگوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ مرد کو حاکم، مسلط اور سربراہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ اس کے لیے عورت کو اللہ کے بجاے مرد کی فرماں بردار ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے سہارے ڈھونڈتے ہیں خواہ وہ سہارا تنکوں کا ہی کیوں نہ ہو۔

آخر میں، میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انگریزی میں قرآنی لفظ 'قانت' کا ترجمہ 'Obedient' نہیں کیا جاتا۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے "Vocabulary of the Holy Quran" میں 'قانت' کا ترجمہ 'A devout One' کیا ہے۔ لفظ 'Devout' کا اردو ترجمہ پارسا، خدا پرست اور عابد ہے۔ حافظ غلام سرور جو کیمبرج کے تعلیم یافتہ اور "Imperial Institute of Modern languages" کے عربی کے اسکالر تھے اور ملایشیا اور سنگاپور میں سول جج رہے، انھوں نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے اور 'قانت' کا ترجمہ 'Devout' کیا ہے۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس کا ترجمہ 'Devoutly Obedient' کیا ہے۔ ظاہر ہے ایسی فرماں برداری صرف اللہ کی ہوسکتی ہے علامہ محمد اسد نے بھی 'قانت' کا ترجمہ 'Devout One' کیا ہے۔ انگریزی لغت کی مستند ترین کتاب Lane کی "Lexicon" ہے جس میں مصنف نے عربی لغت کی تمام امہات الکتب کا خلاصہ پیش کر دیا ہے وہ لفظ 'قانت' کے متعلق لکھتے ہیں:

> "The proper signification of 'القانت' (or the signification that implies all the meaning of the word) is the performer of the commands god."

میرا خیال ہے کہ اس قرآنی لفظ کے بارے میں عربی اور انگریزی کے ڈھیر سارے دلائل عزیزم رضوان اللہ کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اللہ ہماری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد عمار خان ناصر*

احتجاج وانتقام اور اسلامی اخلاقیات

غصہ، نفرت اور انتقام کے جذبات دوسرے تمام جذبات کی طرح انسانی فطرت میں پیوست ہیں اور ان کا اظہار انسانی زندگی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ خدا کے پیغمبر جب انسان کو اپنے پیغام کا مخاطب بناتے اور انسانی شخصیت کی تعمیر و تہذیب کی بات کرتے ہیں تو ان فطری جذبات کی نفی نہیں کرتے اور نہ انھیں غیر فطری طور پر دبا دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ انسان کو یہ بتاتے ہیں کہ ان جذبات کے اظہار کے جائز اور مشروع مواقع کون سے ہیں اور ان کا اظہار کرتے ہوئے انسان کو کون سے اخلاقی حدود کا پابند رہنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرۂ عرب میں مبعوث کیا گیا تو عرب معاشرہ غصے اور انتقام کے جذبات کے اظہار کے حوالے سے سنگین قسم کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کا شکار تھا۔ مثال کے طور پر حریف قبائل کے مابین لڑائی اور کش مکش کی فضا میں یہ بات عام تھی کہ اگر ایک قبیلے کے آدمی نے دوسرے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دیا ہو تو مقتول کے ورثا کا یہ حق سمجھا جاتا تھا کہ وہ براہ راست قاتل تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو وہ اس کے کسی قریبی عزیز اور یا پھر اس کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کو جہاں موقع ملے، قتل کر دے۔ یہ قصاص اور بدلے کا ایک مسلمہ قاعدہ تھا جس پر پورے عرب معاشرے میں عمل جاری تھا۔ یہ طریقہ نفسیاتی طور پر اگرچہ باعث تسکین تھا اور اس سے مقتول کے ورثا کے جذبات بھی بڑی حد تک ٹھنڈے ہو جاتے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ اخلاقی لحاظ سے اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انتقام اور بدلے کے اس جاہلانہ ضابطے کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب معاشرت کی اصلاح کے حوالے سے

---

* مدیر ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ۔

جہاں دوسرے بہت سے امور کا ذکر کیا، وہاں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ:

لا یؤخذ الرجل بجریرۃ أخیه ولا بجریرۃ أبیه. (طبرانی، المعجم الاوسط، رقم ۴۱۶۶)

''کسی شخص کو اس کے بھائی یا باپ کے جرم میں نہ پکڑا جائے۔''

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے یہ بھی واضح فرمایا کہ عدل وانصاف اور معاشرتی اخلاقیات کی پاس داری صرف مسلمانوں کے باہمی معاملات میں نہیں، بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں بھی ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی گروہ کا اجتماعی رویہ واضح طور پر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عناد، دشمنی اور مخاصمت کا مظہر ہو، تب بھی مسلمانوں کی طرف سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ شریعت کے بیان کردہ اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے گی۔

سورۂ مائدہ (۵) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.(۸)

''ایمان والو، اللہ کی خاطر عدل وانصاف کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ، اور ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کے ساتھ دشمنی تمھیں برانگیختہ کر کے ناانصافی پر آمادہ کر دے۔ عدل پر قائم رہو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمھارے اعمال کی پوری پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

سیرت نبوی اور سیرت صحابہ میں ہمیں اس اخلاقی ہدایت کی پاس داری کی نہایت روشن مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ دیکھیے، عہد نبوی کے یہودیوں کے متعلق قرآن مجید نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والا گروہ ہے۔ (سورۂ مائدہ ۵: ۸۲) اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف سے ان کے ساتھ جس اعلیٰ درجے کا اخلاقی معاملہ کیا گیا، اس کا اندازہ درج ذیل دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے:

فتح خیبر کے بعد ایک موقع پر دو انصاری صحابی عبد اللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر کی طرف گئے اور اپنے اپنے کام کے سلسلے میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد محیصہ نے عبد اللہ بن سہل کو اس حالت میں پایا کہ انھیں قتل کر دیا گیا تھا اور وہ خون میں لت پت ایک جگہ پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن سہل کے ورثا اپنا مقدمہ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور یہود سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم میں سے پچاس آدمی قسم اٹھا لیں (کہ یہ قتل فلاں یہودی نے کیا ہے) تو میں ملزم کو تمھارے حوالے کر دوں گا۔ انصار نے کہا کہ ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ قاتل کو دیکھے بغیر قسم اٹھا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہودیوں سے کہتے ہیں کہ وہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تمھیں قسمیں دے دیں کہ وہ اس جرم سے لاتعلق ہیں، لیکن مقتول کے ورثا نے کہا کہ ہم ان کی قسموں پر کیونکر اعتبار کر سکتے ہیں؟ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمے کو نمٹانے کے لیے اس انصاری کی دیت بیت المال سے ادا کر دی تا کہ اس کا خون رائگاں نہ جائے۔ (بخاری، رقم ۳۰۰۲)

خیبر کا یہ سارا علاقہ یہودیوں کا تھا اور بدیہی طور پر یہ کام انھی میں سے کسی کا تھا، بلکہ بعض روایات کے مطابق یہودیوں نے اس قضیے میں اس بات کی قسمیں دینے سے بھی انکار کر دیا تھا کہ ہمارا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ان قرائن اور یہود کے سابقہ کردار کی روشنی میں اس کی ذمہ داری ان پر ڈال سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور وہی طریقہ اختیار فرمایا جس کی شریعت اور قانون اجازت دیتے تھے۔

خیبر کی فتح کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ زمین مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوگی، لیکن عملاً یہود کے تصرف میں رہے گی اور وہ اس کی فصل یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین تقسیم ہوگی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا، جنھوں نے وہاں کی فصل کا جائزہ لے کر مقدار کا اندازہ کیا اور پھر یہود سے کہا کہ:

> ''اے قوم یہود، تم اللہ کی مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا اور اللہ کے خلاف جھوٹ کی نسبت کی۔ لیکن تمھارے ساتھ یہ نفرت مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتی کہ میں تم پر کوئی زیادتی کروں۔ میں نے کھجوروں کا اندازہ بیس ہزار وسق لگایا ہے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو ٹھیک ورنہ یہ محض میرا اندازہ ہے۔ یہود نے کہا: اسی انصاف کے سہارے تو زمین و آسمان قائم ہیں۔'' (مسند احمد، رقم ۱۴۴۲۵)

یہی طرز عمل مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ بھی اختیار کیا۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی خبیب انصاری اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بعض مشرک قبائل کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قریش مکہ کی قید میں پہنچ گئے جنھوں نے انھیں غزوۂ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب مقررہ دن خبیب کو قتل کرنے کے لیے لوگ جمع ہوئے اور خبیب کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی تو انھوں نے شہادت پانے سے پہلے اپنے جسم کی صفائی کے لیے ان سے استرا مانگا۔ حارث بن عامر کی بیٹی بتاتی ہیں کہ میری بے دھیانی میں میرا ایک بچہ کھیلتا کھیلتا خبیب کے پاس جا پہنچا اور جب میری نظر پڑی تو استرا خبیب کے ہاتھ میں تھا اور میرا بچہ ان کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی جسے خبیب نے بھی بھانپ لیا اور مجھ سے کہا کہ کیا تم ڈر رہی ہو کہ میں

اس بچے کو قتل کر دوں گا؟ نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ (بخاری، رقم ۲۸۸۰)

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ زمانہ مسلمانوں اور قریش کے مابین تعلقات کے تناؤ کے عروج کا زمانہ تھا اور جنگ بدر ابھی حال ہی میں رونما ہوئی تھی۔ مشرکین عرب، جیسا کہ معلوم ہے، اخلاقیات کی پاس داری کرنے والا کوئی گروہ نہیں تھے۔ وہ اسلام دشمنی میں توہین رسالت، بے گناہ لوگوں کی قتل و غارت اور خواتین کی بے حرمتی سمیت ان تمام شنیع جرائم کا بالفعل مرتکب تھے جو کوئی بھی گروہ کسی گروہ کے خلاف کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود خبیب کی اخلاقیات نے اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ان کے ان جرائم اور خاص طور پر اپنے قتل کا انتقام ایک معصوم بچے سے لیں اور اپنے جذبۂ انتقام کو اس گھٹیا اور سفلی طریقے سے تسکین پہنچانے کا سامان کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی قوم کا نمائندہ بن کر آنے والے سفیروں کے بارے میں اس مسلمہ عالمی عرف کی بھی تائید و تصدیق فرمائی کہ انھیں جان کا تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ جس قوم کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس کے ساتھ کیسا ہی تنازع اور اختلاف کیوں نہ ہو، اس کے بھیجے ہوئے سفیروں پر کوئی دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ مسیلمہ کے بھیجے ہوئے سفیروں نے جب مسیلمہ کے نبی ہونے پر اپنے ایمان کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ضابطہ نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ (ابوداؤد، رقم ۲۷۶۱)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس ضمن میں کسریٰ کے بھیجے ہوئے قاصدوں کا واقعہ زیادہ قابل توجہ اور سبق آموز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد جزیرۂ عرب کے گرد و نواح میں مختلف سلطنتوں کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے کے پیغام پر مشتمل خطوط لکھے تو فارس کے بادشاہ یزدگرد نے آپ کے لیے سخت توہین آمیز کلمات استعمال کرتے ہوئے نہایت تحقیر کے ساتھ آپ کے خط کو پھاڑ دیا اور یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ حجاز میں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، اس کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے کسریٰ کا یہ حکم تحریری طور پر اپنے دو قاصدوں کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا۔ یہ قاصد کسریٰ کا حکم نامہ لے کر رسول اللہ کے پاس آئے تو آپ نے ان کے خلاف کوئی دار و گیر نہیں فرمائی اور صرف یہ کہہ کر ان کو واپس بھیج دیا کہ جا کر باذان کو بتا دو کہ گزشتہ رات اللہ نے کسریٰ کو قتل کروا دیا ہے۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲/ ۱۸۰)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مغربی حکومتوں کی مسلم کش سیاسی پالیسیوں کا انتقام لینے کے لیے ان کے عام اور بے گناہ شہریوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اس پر یہ شرعی جواز بھی گھڑ رہے ہیں کہ چونکہ ان ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کو ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس لیے وہاں کے تمام شہری ''مقاتلین'' میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو قتل کرنا

جائز ہے۔ یہی معاملہ امریکہ میں بننے والی کسی فلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مختلف مسلم ممالک میں امریکی سفارت خانوں کو جلانے اور سفارتی عملے کو قتل کرنے کے حالیہ واقعات کا ہے اور فقہ و شریعت کے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ بے لگام غصے اور اشتعال کی کیفیت میں اس طرح کے اقدامات کا کیا شرعی یا اخلاقی جواز پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہماری قیادت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو غصے اور نفرت کے اس اظہار کو، جو حدود سے قطعی طور پر متجاوز ہے، غیرت کا خوب صورت عنوان دے کر اپنی عوامی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس نازک موقع پر حق کی گواہی دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرعی اخلاقیات کی یاد دہانی کرائے اور سیرت نبوی و سیرت صحابہ کی روشن مثالوں کا حوالہ دے کر ان کے دلوں میں اس احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کرے کہ:

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محترمی و مکرمی قارئین.......

۱۔اشراق کے اجراء کے لیے

۲۔اشراق نہ ملنے کی صورت میں

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ کریں:

ishraq@javedahmadghamidi.com